وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

ماہنامہ السعید ملتان

Mehfoozul Hassan Khan

مدیر مسؤل سید احمد سعید کاظمی امروہی

مدیر معاون سید مظہر سعید کاظمی امروہی



زیرِ سرپرستی

حضرت قبلہ مخدوم المخادیم

سیّد شوکت حسین گیلانی

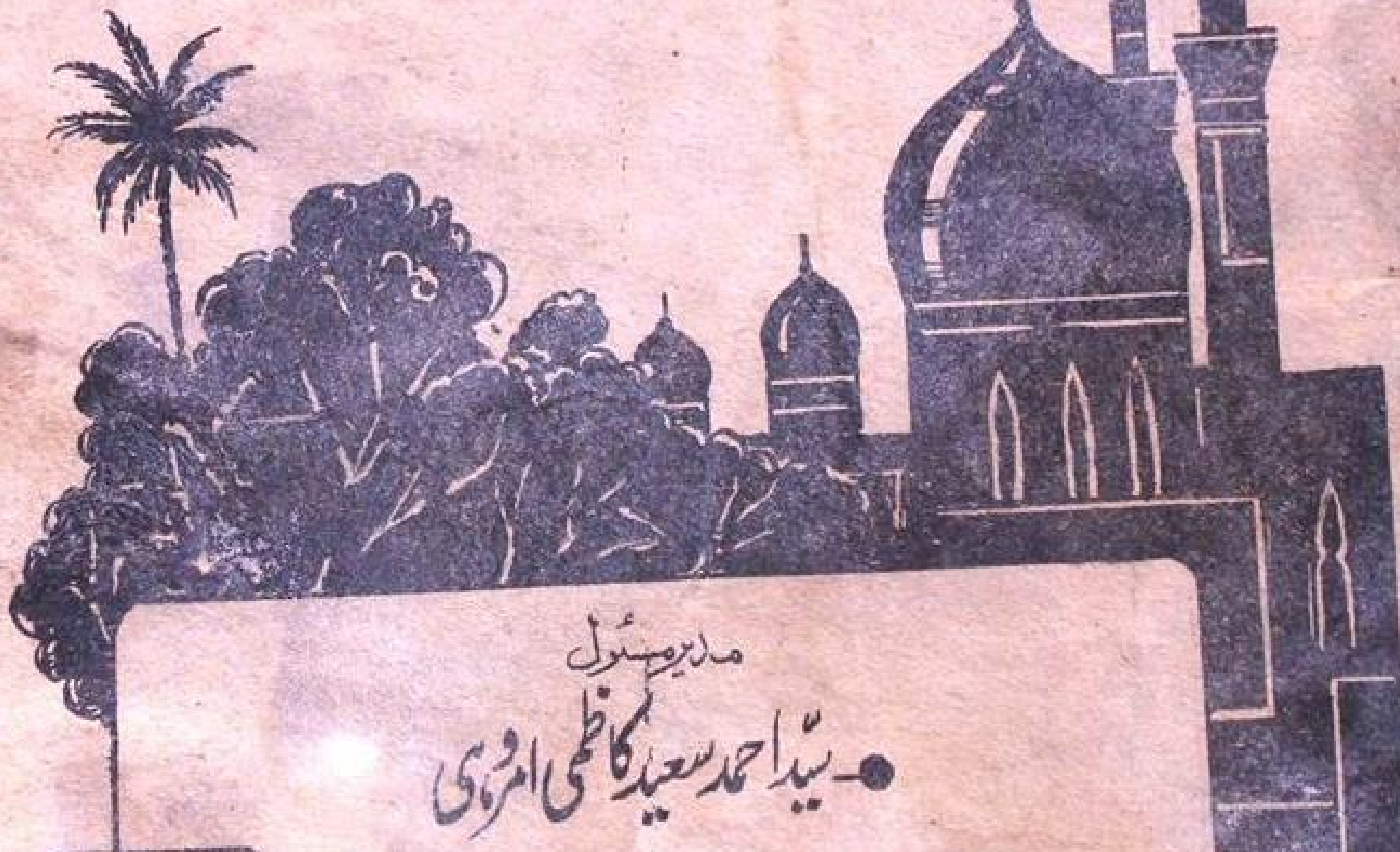
حسنی الحسینی، سجّادہ نشین دربارِ عالیہ

حضرت موسیٰ پاک شہید قدس سرہٗ ملتان

و حضرت قبلہ سلطان محمد بالا دین اُویسی

سجّادہ نشین دربارِ عالیہ شاہ پور شریف

شہیدِ کربلا نمبر



مدیرِ مسئول

• سیّد احمد سعید کاظمی امروہی

مدیرِ معاون

• سیّد مظہر سعید کاظمی امروہی

پانچواں سال

ماہ ذوالحجہ ۸۲ و محرم ۱۳۸۳ھ

مطابق مئی و جون ۱۹۶۳ء

شمارہ ۱ و ۲

پرنٹر پبلشر سیّد احمد سعید کاظمی امروہی • مطبع محمود پرنٹنگ پریس ملتان • مقامِ اشاعت دفتر السعید کچہری روڈ ملتان

ترتیب

ترسیل زر کا پتہ

پاکستان میں، سید مظہر سعید کاظمی امروہی
مدیر معاون ماہنامہ السعید، کچہری روڈ، ملتان

•

بھارت میں، حضرت علامہ الحاج مولانا سید محمد خلیل کاظمی چشتی
محلہ کٹکوئی - امروہہ، ضلع مراد آباد - (یو پی)

زر سالانہ
پانچ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ

قلمِ اوّلیت

لمحۂ فکریہ

قیامِ پاکستان کو سولہ برس ہو گئے بلکہ اس سے قبل ایک صدی کے قریب مدت گذر گئی۔ ملک میں دیوبندی بریلوی اپنے اختلافات کے باوجود اطمینان و سکون کے ساتھ رہتے رہے۔ ان کے باہمی نزاع نے کبھی وہ خوفناک صورت اختیار نہیں کی، جو اَب سات مہینے سے رونما ہے۔

مفسدہ پردازی کسی کی طرف سے ہو۔ بہرحال قابلِ مذمت اور موجبِ نفرت و ملامت ہے۔ ہم ابتداء سے بلا امتیاز فسادی عنصر کی مذمت کرتے چلے آئے ہیں، کیونکہ اس کا نتیجہ ہر اعتبار سے شدید نقصان کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اب واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے کہ ۷ ر ستمبر ۱۹۶۲ء سے بریلوی مکتبۂ فکر (اہلسنت وجماعت) کے خلاف "چٹان" لاہور کے ذریعہ جو منظم اور ہمہ گیر اشتعال انگیزی کی مہم شروع کی گئی ہے، موجودہ فرقہ وارانہ فسادات اور دیوبندی بریلوی کشیدگی محض اسی کے زہریلے اثرات کا نتیجہ ہے۔

۷ ر ستمبر ۶۲ء سے ابتک "چٹان" کا کوئی ایک پرچہ ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس میں بریلوی (اہلسنت وجماعت) علماء بلکہ مشائخ کرام کے مسلک پر کیچڑ نہ اچھالی گئی ہو، اور بدترین قسم کی فحش گالیاں نہ دی گئی ہوں۔

اس سات مہینے کے عرصہ سے مدیرِ "چٹان" کا صرف قلم نہیں بلکہ زبان بھی جمہور مسلمانوں (بریلوی اہلسنت اور مشائخ کرام) کے خلاف اشتعال انگیزی اور ان کے حق میں بدترین قسم کی فحش گوئی کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ مثال کے طور پر مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے سالانہ جلسہ میں مدیرِ "چٹان" نے بریلوی (اہلسنت) مکتبۂ فکر کے خلاف جو سخت اشتعال انگیز تقریر کی، کسی سے مخفی نہیں۔ جس کا اعتراف بعض مؤقر اخبارات نے بھی کیا اور اس کے چند اقتباسات ۸ ر اپریل ۶۳ء کے چٹان میں بھی شائع ہوئے باوجودیکہ ان اقتباسات سے بریلوی مکتبۂ فکر کے اہلسنت کی دل آزاری کا کافی مواد حذف کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی ان کا ایک ایک جملہ انتہائی دل آزاری کا موجب ہے۔

"چٹان" کی اس طویل اور منظم اشتعال انگیزی کی مہم کے خلاف ملک کے گوشہ گوشہ سے احتجاج کی صدائیں بلند ہو چکی ہیں اور اس سے پیدا شدہ صورتِ حال پر ملک کے معزز اخبارات بصیرت افروز اداریئے لکھتے رہے۔ چنانچہ "انجام" اور "کوہستان" کے معزز مدیرانِ کرام نے نہایت شاندار مقالے سپردِ قلم کر کے ملک و ملت پر احسان کیا۔ مگر افسوس کہ فتنہ و فساد کی یہ مہم بدستور جاری رہی اور اب تک نہایت شدت سے جاری ہے ——— "انجام" اور "کوہستان" کے علاوہ بھی ملک کے مختلف رسائل اور جرائد

اس اشتعال انگیزی کے خلاف نفرت و مذمت کا اظہار اور حکومت سے اس مہم کو ختم کرنے کی پُر زور اپیلیں کرتے رہے، مگر اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

"چٹان" کی اس فتنہ پردازی اور اشتعال انگیزی کے نتائج اسی وقت سے معرضِ ظہور میں آنے لگے تھے جب الحاج حافظ محمد شفیع صاحب اوکاڑوی پر کراچی میں قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ اس کے بعد ملک کے مختلف گوشوں میں کشیدگی بڑھتی گئی اور "چٹان" کے انتہائی اشتعال انگیز مضامین سے تمام ملک میں فرقہ وارانہ جذبات مشتعل ہو گئے اور اس کا سب سے المناک نتیجہ اوکاڑہ کے فرقہ وارانہ فساد کی صورت میں ظاہر ہوا ——— یہ کتنا اندوہناک واقعہ ہے اور ملتِ پاکستانیہ کے دامن پر کس قدر بدنما دھبّہ ہے، اس پر جتنا بھی اظہارِ افسوس کیا جائے کم ہے۔

ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قتل و خونریزی کے ان ہولناک واقعات کے باوجود بھی اشتعال انگیزی کی یہ مہم بدستور جاری ہے، بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ شدّت اختیار کر گئی ہے۔ یقین نہ ہو تو "چٹان" کے تازہ پرچے اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ جن میں بریلوی (اہلِ سنّت) مکتبۂ فکر کے بعض مقتدر علماء کا نام لے کر ان کی توہین و تذلیل کی گئی ہے۔ اور اسّی فی صدی مسلمانوں کے قلوب کو مجروح کر کے فتنہ و فساد کی اس آگ کو مزید بھڑکایا گیا ہے۔ حکومت کے تغافل اور اس طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے اربابِ اقتدار بھی انگریز کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" پر اپنی حکومت چلانا چاہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہمارا یہ خیال صحیح ہوا تو پھر پاکستان کا خدا حافظ ہے!

میں پھر ایک مرتبہ اپنی حکومت کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اگر پاکستان کی سالمیّت عزیز ہے تو پہلی فرصت میں "چٹان" کی اس مہم کو ختم کیا جائے اور مفسد عناصر کی سرکوبی کی جائے۔ قانون کی طاقت سے فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی کا فوری انسداد عمل میں لایا جائے۔ ورنہ ہم اس یقین میں قطعاً حق بجانب ہوں گے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب حکومت کرا رہی ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ علماء اور عوام کو مذہبی کشمکش میں اُلجھا دیا جائے۔ اور قتل و خونریزی کے بعد کچھ لوگ تختۂ دار پر لٹکا دیئے جائیں اور کچھ جیل کی کوٹھڑیوں میں ٹھونس دیئے جائیں اور اس طرح مذہب کا نام لے کر کسی کو حکومت پر نکتہ چینی کرنے کی ہمت ہی نہ ہو سکے، مگر اس کا انجام کیا ہو گا؟ کسی سے مخفی نہیں۔

خدا وہ وقت نہ لائے کہ پاکستان کی سالمیّت کو نقصان پہنچے اور ہم آزادی کی نعمت سے محروم ہو کر پھر غلامی کی قید میں مقید ہو جائیں!

بہرحال واقعات کی روشنی میں ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کی ذمہ داری کہیں حکومت پر تو عائد نہیں ہوتی ——— ہم بلا امتیاز ہر گروہ کے سنجیدہ رہنماؤں کی خدمت میں یہ عرض کریں گے کہ فرقہ وارانہ کشیدگی کے ان خوفناک واقعات نے جہاں ملک کے طول و عرض میں بدامنی کی فضا پیدا کر کے پاکستان کی سالمیت کو خطرے میں ڈال دیا، وہاں مذہب اور اہلِ مذہب کے مستقبل کو بھی تاریک کر دیا ہے ——— عیسائیوں اور مرزائیوں کے ہاتھ مضبوط ہو گئے۔ دہریہ، اور لامذہب طبقہ کے لوگ خوشی سے تالیاں بجانے لگے، قوم کا نوجوان طبقہ جو پہلے ہی لامذہبیت کے رجحانات کا حامل ہے۔ مذہب

کی طرف سے اور زیادہ متنفر ہو گیا۔ مذہبی غیرت رکھنے والوں کی گردنیں فرطِ ندامت سے جھک گئیں۔ اے کاش! دونوں طبقوں کے مقتدر اصحاب اس حقیقت کو سمجھیں اور اس کشیدگی کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

بسا اوقات مرض کے طول پکڑ جانے کے بعد اس کے عوارض اصل مرض سے زیادہ مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان کا ازالہ وقتی ضرورت کے پیشِ نظر، مرض کے ازالہ سے پہلے ضروری ہوتا ہے۔ موجودہ صورتِ حال کا تقاضا یہی ہے کہ مرض سے پہلے عرض کو زائل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اہل فہم سے مخفی نہیں کہ اصل مرض تو دیوبندی، بریلوی مکتبۂ فکر کا وہ بنیادی اختلاف ہے جو علماء دیوبند کی مشہور و معروف کتابوں کی متعدد عبارات کی بنا پر عرصۂ دراز سے چلا آ رہا ہے۔ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو اشتعال انگیزی کی یہ مہم بے بنیاد ہوتی۔ لیکن حقائق کی روشنی میں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ توہین آمیز عبارات ہی بنائے فساد ہیں۔ موجودہ صورتِ حال کی نزاکت اس امر کی مقتضی ہے کہ چٹان کی اس طویل اور منظم اشتعال انگیزی کی مہم کو احسن طریقہ سے ختم کیا جائے، اور اس کے بعد بنائے فساد کو دور کرنے کی کامیاب جد و جہد عمل میں لائی جائے۔ جس کی صورت صرف یہ ہے کہ دیوبندی بریلوی دونوں طبقہ کے چند سر برآوردہ علماء اپنے اپنے مکتبۂ فکر کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان عبارات پر پوری دیانت داری، دل سوزی اور خدا ترسی کے ساتھ باہمی گفت و شنید کریں اور آخرت کے مواخذہ کا تصور دل میں قائم کر کے خوفِ خدا سے متاثر ہو کر تصفیہ کر لیں۔ اور حدودِ شرع میں رہ کر ایسا فیصلہ کریں جس سے بنائے فساد ختم ہو جائے۔ شرعی تصفیہ کے بغیر محض عبارات کو حذف کر دینا بالکل بے سود ہو گا۔ کیونکہ اس طرح نظریاتی اختلاف ختم نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ نظریاتی اختلاف کے باقی رہتے ہوئے دونوں جماعتوں کا باہمی اتحاد متصور نہیں ہو سکتا۔ جب تک بنیادی اور اصولی اختلافات کا تصفیہ نہ ہو جائے اُس وقت تک اتحادِ باہمی میں ہر گروہ کا ضمیر اس پر ملامت کرے گا اور وہ اتحاد کسی صورت میں دیرپا ثابت نہ ہو سکے گا۔ امامت و خطابت اور مساجد کے جھگڑے بھی بدستور چلتے رہیں گے۔

اس ضمن میں اتنی بات اور بھی عرض کر نا ضروری ہے کہ جو لوگ عبارات کے بارہ میں تصفیہ کئے بغیر یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک گروہ دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرے۔ اگر کسی مسجد میں امامت پر اختلاف ہو تو امام وہی رہے جو قدیم سے امام چلا آتا ہے کوئی شخص اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہ چاہے تو جماعت کے بغیر علیحدہ اپنی نماز پڑھ لے۔ مخصوص جماعت کرنے کا اس کو اختیار نہیں۔ ایسے لوگوں کا موقف صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں مذہبی آزادی جو پاکستان کے ہر شہری کا حق ہے، باقی نہیں رہ سکتی۔ کتنی بڑی زیادتی ہو گی کہ کسی کو اس کے مذہب و مسلک کے خلاف کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے پر مجبور کیا جائے جس کے پیچھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ عدل و انصاف کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ متنازعہ مساجد میں اہلِ محلہ کی کثرت کے مسلک کا امام مقرر کیا جائے، اور جو لوگ اکثریت کے خلاف مسلک رکھتے ہوں اُنہیں کہا جائے کہ اگر تمہاری نماز اس امام کے پیچھے نہیں ہوتی تو تم کوئی ایسی مسجد تلاش کرو جس کا امام تمہارا ہم عقیدہ ہو۔ ورنہ اپنی نماز تنہا پڑھ لیا کرو۔ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اکثریت کی نماز سے پہلے یا پیچھے ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت قائم کر کے خانۂ خدا کو فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی کا مرکز بناؤ۔

اسی طرح انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو امام وہاں کے اہلِ محلہ کی اکثریت کے خلاف عقیدہ رکھنے کے باوجود اس مسجد سے

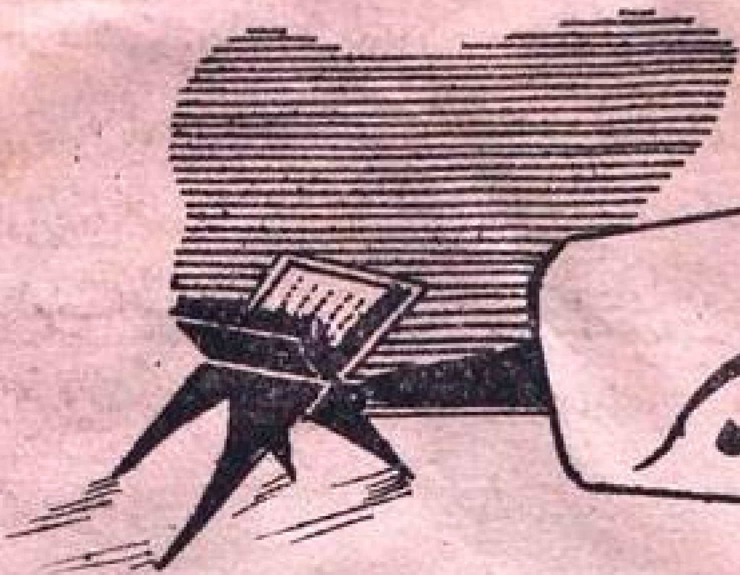
چمٹا رہنے کی کوشش کرے، اُسے فی الفور معزول کرکے، وہاں اکثریت کا ہم عقیدہ امام مقرر کیا جائے۔ اس کے برخلاف اس کا مقدمہ دیوانی عدالت میں دائر کرنا فرقہ وارانہ کشیدگی کو طول دینے کے مترادف ہوگا۔

اتحاد کی یہ سب صورتیں بے سُود ہیں، جب تک بنائے فساد کا ازالہ نہیں ہو جاتا۔ میں پورے خلوص اور دردمندی کے ساتھ ہر دو فریق کے علماء، واعظین اور مصنفین وغیرہ ذمہ دار اصحاب کی خدمت میں بُنیادی تصفیہ کی پُرزور اپیل کے ساتھ عرض کروں گا، کہ آپ حضرات ایک دوسرے کے خلاف سب وشتم اور اشتعال انگیزی کے سلسلہ کو یکسر ختم کر دیں۔ ہر شخص اپنا مسلک دلائل کی روشنی میں معقولیت کے ساتھ بیان کرے، مگر دوسرے کے خلاف دل آزار وطیرہ اختیار نہ کرے۔ ملک وملت اور دین ومذہب کی بھلائی اسی میں ہے!

مدارسِ اسلامیہ عربیہ کے مہتمم حضرات فوراً توجہ دیں

اس وقت اہلِ سُنّت کے متعدد مدارس حسبِ استطاعت خدمتِ دین انجام دے رہے ہیں، لیکن اپنی گمنامی کی وجہ سے اپنے حلقہ کے علاوہ کسی جگہ متعارف نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے مدارس بیرونی امداد سے فائدہ حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ الحمدللہ آپ کا محبوب ماہنامہ السعید اس وقت ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ رہا ہے۔ اور بعض دوسرے ممالک میں بھی جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے دینی مدارس کو متعارف کرانے کے لئے "السعید" کے چند اوراق وقف کر دیئے ہیں۔ آپ مختصر عبارت میں مدرسہ کا اعلان ہمیں بھیج دیجئے۔ ہم ہر ماہ اس کو السعید میں شائع کر دیا کریں گے۔ پتہ ذیل سے کوائف معلوم کریں

شعبۂ تبلیغ ماہنامہ السعید کچہری روڈ ملتان شہر



کتاب التفسیر

● از مدیر مسئول

نظامِ عالم پر غور کرنے سے یہ بات صاف ظاہر ہے، کہ اس جہان کا پورا نظم و نسق مخلوق کے باہم دگر امداد و اعانت پر چل رہا ہے۔ ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچنا اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا گویا قانونِ فطرت ہے۔ کیونکہ زمین سے لے کر آسمان تک، موجوداتِ کائنات میں جو ارتباط پایا جاتا ہے، اس قانون کے بغیر ممکن نہیں، بالخصوص بنی نوعِ انسان کا گزارہ تو اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی مخلوق سے مدد لینا ناجائز ہو، تو انسانی معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

مثال کے طور پر انسان کے ایک فرد کو لے لیجیئے، اور دیکھیے کہ اس کی ضروریاتِ زندگی کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں، سب سے پہلے اس کی ولادت پر نظر کیجیے کہ وہ والدین کے بغیر پیدا نہیں ہوا۔ پیدائش کے بعد اس کی تربیت والدین اور دیگر افراد سے متعلق ہے۔ وہ اپنی غذا، لباس، رہائش و دیگر امور میں بے شمار چیزوں کا محتاج اور لاتعداد افراد کا رہینِ منّت ہے بچپن سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک، بلکہ پیدائش سے موت تک اور بعد سے لے کر لحد تک ہر مرحلے پر دوسروں کی امداد و اعانت سے وابستہ ہے۔

اس کو غذا کے لئے غلّہ کی ضرورت ہے۔ لباس کے لئے کپڑے اور جوتے کی حاجت ہے۔ بیمار ہو جائے تو علاج کے لئے طبیبوں، ڈاکٹروں اور دواؤں کا محتاج ہے۔ رہنے کے لئے مکان اور اس کی تعمیر کے لئے کاریگروں اور مزدوروں کی ضرورت ہے۔ غلّہ کی پیداوار کاشتکاروں کے عمل سے متعلق ہے آٹا پیسنے کے لئے چکی اور روٹی پکانے کے لئے باورچی کی ضرورت ہے، کپڑے کی ضرورت ہے اور کپڑا سینے کے لئے درزی کی حاجت ہے، جوتے کے لئے چمڑا اور چمڑے سے جوتا بنانے کے لئے کاریگر کا ہونا لازمی ہے۔ دواؤں کے حصول کے لئے ہر مرحلہ پر سینکڑوں قسم کے کارکنوں کی ضرورت درپیش ہے۔ چلنے کے لئے زمین، سانس لینے کے لئے ہوا، پیاس بجھانے کیلئے پانی، گرمی حاصل کرنے کے لئے آگ، اور اسی طرح بقیہ ضروریات اجتماعی نظام کے ماتحت بے شمار افراد کی امداد و اعانت پر موقوف ہیں، کوئی شخص کسی کو ایک خط لکھنا چاہے تو ہزاروں افراد کی مدد اور اعانت کو حاصل کئے بغیر وہ خط نہیں لکھ سکتا۔ قلم کی تیاری، روشنائی اور کاغذ کا وجود کتنے مراحل سے گزر کر ہم تک پہنچتا ہے — چاند سورج کی شعاعیں، شب و روز کا اختلاف، ستاروں کی گردشیں، نظامِ کائنات اور انسانی زندگی پر اس قدر اثر انداز ہیں کہ محتاجِ بیان نہیں — صرف زندگی نہیں، بلکہ موت کے بعد بھی اس کو قبر کی منزل تک انسانوں کی مدد درکار ہے۔

یہ تو ظاہری اعتبار سے کہا گیا۔ اس سے آگے بڑھ کر باطنی اور معنوی حیثیت سے نظر کی جائے تو مخلوقات کی اس مدد و اعانت کا سلسلہ اس سے بھی آگے پہنچتا ہے۔ مثلاً غذائے روح کے لئے ایک علیحدہ روحانی نظام ہے۔ جس کی احتیاج سے کوئی فرد خالی نہیں ہو سکتا۔ قربِ خداوندی، اور معرفتِ الٰہی کا حصول جو عین مقصدِ تخلیقِ انسانی ہے۔ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ سے وابستہ ہے۔

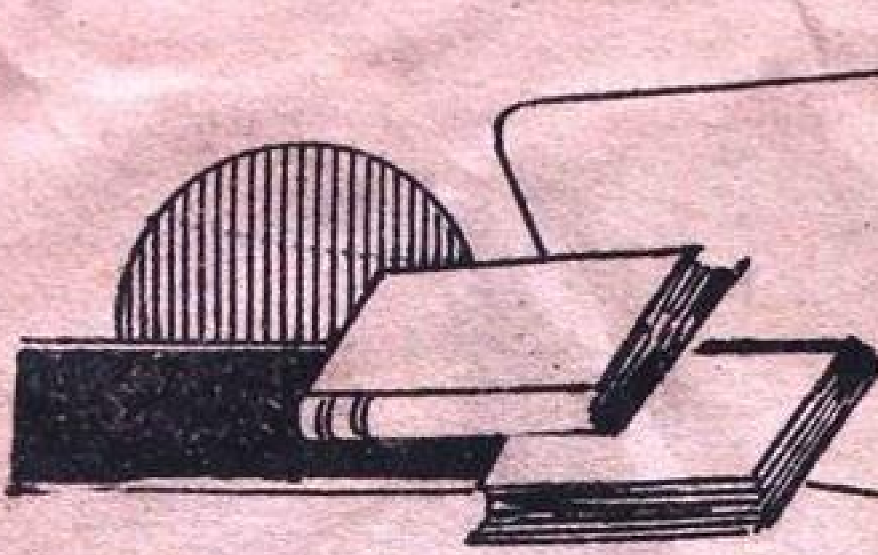
عبادات و معاملات و دیگر احکامِ شرعیہ و مسائلِ دینیہ وحی ربانی و تعلیماتِ نبوی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اگر اس اجمال کی تفصیل کی جائے۔ تو احتیاج کے دامن کی وسعت اور اس کے پورا ہونے میں افرادِ کائنات سے حصولِ نفع اور باہم دگر امداد و اعانت کا اتنا طویل اور وسیع سلسلہ سامنے آجاتا ہے جس کا احصاء ممکن نہیں، اس کے باوجود یہ کہنا کہ کسی مخلوق سے نفع و ضرر کا عقیدہ رکھنا یا غیر اللہ سے امداد و اعانت طلب کرنا کفر و شرک ہے۔ انتہائی مضحکہ خیز اور لایعنی نہیں تو اور کیا ہے؟

ہاں، اس میں شک نہیں کہ جس چیز میں جس نفع کی صلاحیت نہ ہو اس سے اس نفع کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا لغویت اور بے ہودگی ہے۔ مثلاً زہر سے تریاق کے نفع کی امید رکھنا، آگ سے پانی کا کام لینا، جہل سے حصولِ علم کی توقع قائم کرنا قطعاً خلافِ عقل و دانش ہے۔ اسی طرح جس شخص کو جس کام کی قدرت خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا نہیں ہوئی اس سے وہ کام لینا یقیناً حماقت ہے۔ لیکن ایسے شخص کو بلا دلیلِ شرعی مطلقاً کافر و مشرک کہہ دینا بھی سراسر حماقت و جہالت ہے۔

خلاصہ یہ کہ غیر اللہ سے مدد لینا یا اس مدد کے جواز کا عقیدہ رکھنا اسی وقت کفر و شرک قرار پا سکتا ہے۔ جبکہ اس غیر اللہ کو مستقل بالذات ماننے اور تاثیر و ایجاد کا عقیدہ اس کے حق میں رکھے اور جب کسی کو مظہرِ عونِ الٰہی تسلیم کر کے تاثیر و ایجاد اور استقلال ذاتی کی اس سے نفی کرتے ہوئے اس کی امداد و اعانت کا عقیدہ رکھا جائے اور اسی اعتقاد کے ساتھ اس سے مدد طلب کی جائے تو ہرگز کفر و شرک نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کام کا اہل نہ ہو اور اس کی وجہ سے یہ مدد مانگنا لغو اور بے ہودہ قرار پائے۔ مگر اس کو کفر و شرک کہنا یقیناً باطل ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی کو مظہرِ عونِ الٰہی تسلیم کر لیا جائے اور اس کے حق میں الوہیت یا لوازمِ الوہیت کا کوئی عقیدہ نہ ہو تو اس کی مدد اور اعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی مدد و اعانت ہوگی ـــ جو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی مدلول ہے۔

(باقی آئندہ)



کتاب الحدیث

مدیر مسئول

من اثنیتم علیہ خیراً وجبت لہ الجنۃ ومن اثنیتم علیہ شراً وجبت لہ النّار انتم شہداء اللّٰہ فی الارض انتم شہداء اللّٰہ فی الارض انتم شہداء اللّٰہ فی الارض (مشارق الانوار)

ترجمہ:- تم نے خوبی کے ساتھ جس کی تعریف کی، اُس کے لئے جنّت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے بُرائی بیان کی اُس کے لئے نارِ جہنم واجب ہوگئی۔ تم اللہ کے گواہ ہو اس کی زمین میں، تم اللہ کے گواہ ہو اس کی زمین میں، تم اللہ کے گواہ ہو اس کی زمین میں!"

ایک دو لفظوں کے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث میں پورا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ایک جنازہ گزرا، صحابہ کرام نے اُس میّت کی خوبیوں کے ساتھ تعریف کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وجبت بے شک واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا تو صحابہ کرام نے اس کی بُرائی بیان کی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قد وجبت بے شک واجب ہوگئی۔ صحابہ کرام نے سوال کیا۔ حضور کیا چیز واجب ہوگئی۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنّت واجب ہوگئی۔ اور جس کی تم نے مذمت کی اُس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔ تم اللہ کے گواہ ہو اللہ کی زمین پر۔ تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کی تکرار فرمائی۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خدائی گواہ ہونے کا جو شرف حاصل ہوا وہ صرف اس لئے کہ انہیں بارگاہِ نبوت سے قوی نسبت اور گہرا تعلق تھا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے وہ خاص بندے جنہیں بارگاہِ رسالت سے غیر منقطع نسبت و رابطہ اور ختم نہ ہونے والا تعلق حاصل ہے، وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔ جھوٹی گواہی ہر طرح مذموم ہے۔ چہ جائیکہ سرکاری گواہ جھوٹی گواہی دیں۔ پھر احکم الحاکمین جل مجدہٗ کے گواہ کس طرح جھوٹی گواہی دے سکتے ہیں۔ اور کوئی نادرست کلمہ اور راہِ صواب کے خلاف امر کیونکر ان سے سرزد ہو سکتا ہے اسی واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں سے ارشاد فرمایا۔ کہ تم نے جس کی تعریف کردی۔ اُس کے لئے جنّت واجب ہوگئی اور تم نے جس کی بُرائی بیان کردی اُس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔ تم اللہ کی زمین پہ اللہ کے گواہ ہو۔ یعنی بحیثیت گواہ خداوندی ہونے کے تمہارے مُنہ سے نکلی ہوئی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ تم کہہ دیتے ہو۔ تو قدرت بھی اس کی تائید و تصدیق فرما دیتا ہے۔

اس مضمون کی تائید میں مسلم شریف جلد ثانی کتاب الدیات ص۵۹ میں ایک اور حدیث بھی وارد ہوئی۔ اور اس کے ہم معنی بخاری شریف میں بھی ایک حدیث ہے۔ ہم مسلم شریف سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ ربیع کی بہن اُم حارثہ نے ایک آدمی کو زخمی کر دیا۔ یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قصاص ادا کرو، قصاص!

ربیع کی والدہ نے عرض کیا۔ حضور! کیا اُم حارثہ سے قصاص لیا جائے گا؟ خدا کی قسم اُن سے ہرگز قصاص نہ لیا جائیگا!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبحان اللہ۔ اے اُم ربیع قصاص تو اللہ کی کتاب کا حکم ہے۔ ام ربیع نے پھر کہا خدا کی قسم اس سے کبھی قصاص[1] نہ لیا جائے گا۔ کچھ دیر آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ مستحق قصاص نے قصاص معاف کر دیا۔ اور وہ دیت پر راضی ہو گئے۔

حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ ط

ترجمہ:۔ بے شک اللہ کے بندوں میں سے بعض ایسے بندے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو البتہ اللہ تعالیٰ ان کو (ان کی قسم میں) بری فرما دے۔"

امام نووی اس حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ

معناہ لا یحنثہ لکرامتہ علیہ

" اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مکرم و معظم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قسم میں حانث نہیں فرماتا۔"

اس حدیث کا مضمون حدیث سابق انتم شہداء اللہ فی الارض کے مضمون کی واضح طور پر تائید کر رہا ہے۔

بے شک اللہ کے خاص بندے جن کے قلوب انوارِ نبوت کے جلووں سے معمور ہیں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔ اُن کے مُنہ سے نکلی ہوئی بات رائیگاں نہیں جاتی۔ مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے ؎

گفتہ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اللہ کے نیک اور متقی بندے چونکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے گواہ ہیں اور ان کی زبانیں لغو و غلط سے پاک ہیں۔ ان کا کلام نادرستی اور کجروی سے مبرّا ہے۔ اس لئے بارگاہِ ایزدی میں وہ مستجاب الدعوات بھی ہیں۔ ان کا اجماع اور اجتہاد و قیاس حجۃ شرعیہ ہے۔ حدیث مبارک کے اس مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندازہ فرمائیے کہ جن کے غلاموں کی یہ شان ہے، خود ان کا کیا مرتبہ ہو گا۔ اس مقام پر اُن لوگوں کو خاص طور پر غور کرنا چاہئے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں بھی رد ہو جاتی ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لغزشیں اور غلطیاں سرزد ہوئیں!

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (باقی باقی)

(مدیر مسئول)

---

[1] ام ربیع کا اس انکارِ قصاص اور قسم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک کو نعوذ باللہ رد کرنا مقصود نہیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مستحقین قصاص کو عفو کی طرف رغبت ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عفو کی سفارش فرمائیں۔ کما قال النووی، ۱۲۔ (مدیر مسئول)

باب الاستفسار

(مدیر مسئول)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق کے جمیع احوال کا علم تھا تو بعض حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی کا اظہار کیوں فرمایا۔ یا ایسے کام کیوں کئے جس سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے مثلاً :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی ظاہر فرمائی۔ یا حضرت صدیقہ کے ہار کا واقعہ عدم علم کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح خیبر میں ایک یہودیہ کا بکری کے شانہ میں زہر ملا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دینا اور حضور کا اس میں سے کچھ کھا لینا۔ اسی طرح ستر قاریوں کا کفار کے ساتھ بھیجنا اور ان کی شہادت کا واقعہ وغیرہ۔ جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں حضور علیہ السلام کے علم میں نہیں تھیں!

جوابات

۱۔ اوّل یہ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو ماکان وما یکون کا علم ثابت کرتے ہیں۔ وہ تدریجاً ہے۔ اس لئے جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ فلاں بات کا علم حضور کو آخر عمر شریف تک نہ دیا گیا۔ اُس وقت تک ہمارا دعویٰ باطل نہیں ہو سکتا۔

رہا قیامت کا وہ واقعہ جس میں مذکور ہے کہ جماعت مرتدین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصیحابی، اصیحابی فرما کر اپنی طرف بلائیں گے اور اس وقت آپ سے کہا جائے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور کو قیامت کے دن بھی بعض باتوں کا علم نہ ہو گا۔ یہ عجیب قسم کا شبہ ہے جو دلیل مثبتِ علم ہو۔ اس کو نفی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ غور فرمائیے۔ یہ واقعہ قیامت کے دن ہو گا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہلے بیان فرما رہے ہیں۔ "علم نہ تھا تو بیان کیسے فرمایا؟"

رہی یہ بات کہ پھر حضور سے یہ کیوں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم شریف جلد ثانی مطبوعہ مطبع انصاری دہلی صہ۲۴۹ میں منکرین کی یہی پیش کردہ حدیث بایں الفاظ موجود ہے۔

فیقال اما شعرت ما عملوا بعدک

یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کام کئے"

ما شعرت جملہ منفیہ پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہوا۔ نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث مبارک سے مرتدین کے اعمال کا علم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہوا۔ چونکہ واقعہ ایک ہے صرف اس کی روایتوں میں تعدد ہے۔ اس لئے جب ایک روایت میں ہمزہ استفہام مذکور ہو گیا تو ہر روایت میں اس کے معنی ملحوظ رہیں گے اور جس روایت میں وہ مذکور نہیں وہاں محذوف ماننا پڑے گا۔ مثلاً "انک لا تدری" والی آیت میں ہمزہ مذکور نہیں تو یہاں محذوف مانیں گے اور اصل عبارت یوں ہو گی، کہ "ءانک لا تدری" کیا آپ نہیں جانتے؟ ..... ورنہ حدیثوں میں تعارض ہو گا۔ کیونکہ ہمزہ استفہام کا محذوف ہونا تو صحیح ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں محذوف ہے۔ حضرت ابراہیم

۴ میدان حشر میں مرتدین کی جماعت کو اصیحابی اصیحابی کہہ کر پکارنا۔

کا مقولہ "ھٰذا ربی" میں مفسرین نے "اھٰذا ربی" فرمایا ہے یعنی کیا یہ میرا رب ہے! لیکن اس کا زائد ہونا صحیح نہیں۔

اگر "انک لاتدری" والی روایت میں ہمزہ استفہام محذوف نہ مانیں تو "اما شعرت" والی روایت میں ہمزہ کو زائد ماننا پڑے گا جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال علمی کی نفی ہوتی ہو۔

پھر یہ کہ احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے تمام اچھے اور برے اعمال کا علم ہے۔ ترمذی شریف میں حدیث وارد ہے۔

"عرضت علی اعمال امتی حسنھا وقبیحھا"

"میری اُمت کے تمام اچھے اور بُرے اعمال مجھ پر پیش کئے گئے"

اب غور فرمائیے کہ مرتدین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں داخل تھے۔ ان کا مرتد ہونا عمل قبیح ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

جب اُمت کے تمام اعمال حسنہ اور اعمال قبیحہ حضور کے سامنے پیش کئے گئے تو ان کا ارتداد جو عمل قبیح ہے وہ بھی ضرور پیش ہوا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے عملوں کا علم نہ ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کے یہی معنی صحیح ہیں کہ "اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا عمل کئے؟ آپ کو معلوم تو ہے۔ پھر بھی آپ غلبۂ رحمت کے حال میں ان کو اپنی طرف لے رہے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب کریم کو سخاوت کرنے کیلئے بٹھا دیا جائے تو اس وقت اس کے دریائے سخا میں ایسا جوش ہوتا ہے کہ دشمن کی دشمنی کی طرف اس کی توجہ نہیں رہتی اور وہ بے اختیار اپنے کرم کا دامن اس کی طرف پھیلا دیتا ہے۔ جب اسے توجہ دلائی جائے تو اس وقت متوجہ ہوتا ہے۔

یہاں بالکل یہی معاملہ ہے۔

ساقئ کوثر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر رونق افروز ہیں۔ اپنے غلاموں کو چھلکتے ہوئے جام پلا رہے ہیں، مرتدین کی جماعت ادھر سے گزرتی ہے، حضور کو ان کے عملوں کا پورا پورا علم ہے، مگر اس وقت دریائے جود و سخا موجزن اور شان رحمت کا ظہور اتم ہے۔ اس لئے ان کی بد اعمالیوں کی طرف خیال مبارک جاتا ہی نہیں اور اپنے لطفِ عمیم اور کرم جسیم کے غلبۂ حال میں بے اختیار فرما دیتے ہیں۔

"اصیحابی! اصیحابی!!"

لیکن جب توجہ دلائی جاتی ہے کہ اما شعرت ما احدثوا بعدک "پیارے! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟) پس فوراً توجہ مبارکہ ان کی بد اعمالیوں کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور ارشاد فرماتے ہیں،

"سحقاً سحقاً — انہیں دور لے جاؤ، دور لے جاؤ!"

طالب حق کے لئے اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے یہ بیان کافی ہے۔

منکرین کا ایک شبہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت شفاعت کے موقع پر جب میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دوں گا اور طویل سجدہ کروں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے چند محامد مجھے تعلیم فرمائے گا، جو اس وقت مجھے معلوم نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور کو تمام "ماکان و مایکون" کا علم نہ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتِ علم کی نفی نہیں فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔ لاتحضرنی الآن وہ محامد اس وقت میرے ذہن اقدس میں حاضر نہیں۔ کسی بات کا ذہن میں حاضر نہ ہونا عدم علم کو مستلزم نہیں

ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کا علم ہو مگر کسی وقت اس کا استحضار نہ ہو اور اگر لا تحضرنی الآن کے یہی معنی کیے جائیں کہ اس وقت مجھے معلوم نہیں تو اس سے یہ کب لازم آیا کہ وقتِ وصال تک ان کا علم نہ ہوگا، بہر نوع اس حدیث سے بھی ہمارے مسلک پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا!

رہا واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے علم کا تو بخاری شریف میں اسی حدیث افک میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا۔

"خدا کی قسم، میں نے اپنے اہلِ مقدس پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا۔"

اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم قسم ارشاد فرما کر اپنے علم کا اعلان فرما رہے ہیں، مگر منکرین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی یقین نہیں آتا۔

اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیقہ کی طرف سے توجہ کو کم کر دینا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد غیرتِ محمدیہ کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ کی طرف سے صاف نہ ہو اس وقت تک سرکار توجہ میں کمی فرمائیں تاکہ کسی دشمن کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا بھی اسی وجہ سے تھا کہ حضور حضرت صدیقہ کی بے گناہی کا یقین رکھتے تھے۔ صدمہ تو یہی تھا کہ بے گناہ پر تہمت لگی۔ اگر ان کی بے گناہی کا علم نہ ہوتا تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا۔ اگر آج ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کو بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو ہمیں ضرور صدمہ ہوگا۔ اور اگر اس کی بے گناہی کا علم نہ ہو تو اس قدر صدمہ بھی نہیں ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ کے معاملہ میں تفتیش خود علم حاصل کرنے کے لئے نہیں فرمائی، بلکہ حضرت صدیقہ کی پاکدامنی کو ان مسلمانوں کے دل میں قائم کرنے کے لئے فرمائی جو مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے۔ جب ان کے دلوں میں حضرت صدیقہ کی طرف سے بدگمانی راسخ ہو چکی تھی۔ تو بمقتضائے فطرتِ بشریہ یہ بات قرینِ قیاس تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بذاتِ خود صدیقہ کی پاکی پر زور دیں تو شاید وہ سرکار کے حق میں بھی بدگمان ہو جائیں۔ اور یہ خیال کریں کہ ان کی عزت کا معاملہ ہے اس لئے اس طرح فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس معاملہ میں زور نہیں دیا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمارے حق میں بدگمان ہو کر کفر و ارتداد تک نہ پہنچ جائیں۔ یہاں یہ شبہ کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا ان اصحاب نے بھی سنا ہوگا، پھر بھی یہ اپنی بدگمانی پر قائم رہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اوّل تو یہ ثابت نہیں کہ بدگمانی کرنے والے صحابہ نے یہی جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔ اور اگر بالفرض سنا بھی ہو تو اپنے قیاس سے اس کو محض حسنِ ظن پر محمول کیا ہوگا۔ بہرحال اس تحقیق و تفتیش کی حکمت صرف یہ تھی کہ اسبابِ عادیہ مالوفہ طبائع بشریہ کے ذریعہ حضرت صدیقہ کی پوزیشن کو بدگمانی کرنے والے مسلمانوں کے ذہن میں بھی واضح اور صاف کر دیا جائے اور منافقین پر بھی حجت قائم کر دی جائے کہ دیکھو اتنی تحقیق کے بعد بھی کوئی برائی ظاہر نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی برائی پائی ہی نہیں جاتی۔

ایک مہینہ یا اس سے زائد تک اس معاملہ کو طول دینے

کی حکمت بھی یہی تھی کہ اگر جلدی سے معاملہ ختم کر دیا جاتا تو لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات رہ جاتے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمتِ عملی کے مطابق معاملہ کو طول دیا کہ جس طرح چاہو اس طویل عرصہ میں واقعات کی چھان بین کر لو۔ جب کوئی برائی موجود ہی نہیں تو ظاہر کہاں سے ہوگی۔

دیکھیئے، اگر کسی پر تہمت لگائی جائے کہ تم نے ہمارے سو روپے چرائے ہیں۔ اور وہ شخص متہم کو کپڑوں کی تلاشی دینے لگے اور اپنے گھر اور سامان کی ایک ایک چیز لا کر دکھائے اور لوگوں سے دریافت کرائے کہ بھائی تم نے میرے پاس سو روپے دیکھے ہیں، تمہیں علم ہے بھائی! تم بتاؤ میں نے کبھی چوری کی ہے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس تحقیق کرنے والے کو اپنا حال معلوم نہیں؟ کیا یہ خود اپنا علم حاصل کرنے کے لئے معاملہ کو طول دے کر اس کی تحقیق کر رہا ہے؟

نہیں نہیں! بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اچھی طرح اس معاملہ کی تحقیق نہ کرائی گئی تو میری بے گناہی واضح نہ ہوگی اور لوگوں کے دلوں میں میری طرف سے بدگمانی باقی رہے گی۔

بالکل یہی معاملہ یہاں تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو صدیقہ کی پاکبازی کا یقین تھا۔ مگر ان حکمتوں کے پیشِ نظر ہے تو بھی اور تحقیق و تفتیش کرائی گئی اور معاملہ کو طول دیا گیا تاکہ حضرت صدیقہ کی پاکدامنی ہر طریقہ سے ظاہر ہو جائے۔ اسی حکمت کے تحت ان کی برأت قرآن مجید میں تاخیر سے نازل ہوئی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صدیقہ اگر تم سے کوئی گناہ ہوا ہے تو تم توبہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت صدیقہ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ حضور خود علم حاصل کرنے کے لئے یہ بات نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ دوسروں کے اذہان کو میرے حق میں بدگمانی سے پاک فرمانے کیلئے یہ کلمات طیبات ارشاد ہوئے ہیں لہٰذا جواب میں جمع کے صیغے بولتی ہیں اور ایسے الفاظ فرماتی ہیں جن کے مخاطب حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو ہی نہیں سکتے۔ فرماتی ہیں۔

انی واللہ لقد علمت لقد سمعتم ھذا الحدیث حتی استقر فی انفسکم وصدقتم بہ فلئن قلت انی بریئۃ لا تصدقونی ولئن اعترفت لکم بامر واللہ یعلم انی منہ بریئۃ لتصدقنی فواللہ لا اجد لی ولکم مثلا الا ابا یوسف حین قال فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔

(بخاری شریف جلد ثانی ص۵۹۶)

ترجمہ: "خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں نے یہ بات سنی ہے اور تمہارے دلوں میں قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اگر میں تم سے کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو تم ہرگز میری تصدیق نہ کرو گے اور اگر تمہارے سامنے کسی ایسے امر کا اقرار کروں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو مجھے سچا مان لو گے۔ تو خدا کی قسم جب میرے اور تمہارے لئے سوائے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اور مثل نہیں جب انہوں نے یہ فرمایا "فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔"

خدا کے لئے ان الفاظ پر غور فرمایئے کہ "تمہارے دلوں میں یہ بات قرار پکڑ چکی ہے اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔" کیا اس کلام کے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں؟ کیا

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں نعوذ باللہ حضرت صدیقہ کی بُرائی بیٹھ چکی تھی؟ کیا حضور نے اس کی تصدیق فرما دی تھی؟ جو لوگ اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے منکر ہیں وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حضور نے تو قسم کھا کر ارشاد فرمایا تھا کہ واللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا۔ اس کلام کو اگر حسنِ ظن پر بھی محمول کر دیا جائے تب بھی حضرت عائشہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ ظن ثابت ہوگا۔ حسنِ ظن کے ساتھ ان کی بُرائی کا دل میں بیٹھ جانا اور اس کی تصدیق کر دینا کیسے جمع ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ نے اگرچہ بظاہر حضور کو ہی مخاطب بنایا مگر اپنے اس خطاب کا رُخ ان ہی لوگوں کی طرف رکھا جو منافقین کے بہکانے میں آ کر مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کے دل میں حضرت صدیقہ کی طرف سے بُرائی بیٹھ گئی تھی۔ اور انہوں نے تہمت لگا کر اس کی تصدیق بھی کر دی تھی۔ اگر اس کلام کے مخاطب حضور علیہ السلام ہوں تو نعوذ باللہ حضور بھی تہمت لگانیوالوں میں شامل ہوں گے۔ کیونکہ کسی پر بُرائی کی تصدیق کرنا ہی تہمت ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پاک ہیں!

تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی۔ ما زنت امرأۃ نبی قط یعنی کسی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی کا کام نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس ایسی بات جو عقل سے وراء الوراء ہے اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر فرما رہے ہیں۔ لہذا حدیث حکماً مرفوع ہوئی۔

اس حدیث میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے امر کا بیان فرمایا جو لوازمات نبوت سے ہے اور وہ یہ کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کی بیوی بدکار ہو وہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے اور اس کی بات بالکل حقیر ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں ایسے شخص کی بات کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ اگر اس میں ذرہ بھی حیا کا مادہ ہے تو وہ لوگوں کے سامنے مُنہ نہیں دکھا سکتا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام ہدایتِ خلق اور پیغاماتِ ربانی پہنچانے کے لئے دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ وہ ذلیل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو ذلت کے اسباب سے محفوظ رکھتا ہے، نہ ان کی بات حقیر ہو سکتی ہے۔ اگر نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے ایسی ناشائستہ حرکات سرزد ہوں تو وہ کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ ایسی صورت میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ کس طرح ہو سکتی ہے۔ لہذا انبیاء علیہم السلام کی بیویوں سے بے حیائی متصور نہیں۔ بعض انبیاء کی بیویاں کافر ہوئیں لیکن بے حیا نہیں ہوئیں۔ کفر تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے، مگر اس میں فحش اور بے حیائی نہیں ہے۔

جب آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ انبیاء کی پاکدامنی اور عفت کا لازمۂ نبوت ہونا بیان فرمایا ہے تو اب اس امر پر غور فرمائیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ کی پاکی میں کس طرح شک فرما سکتے ہیں۔ اگر صدیقہ کی پاکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یقینی نہ ہو تو پھر اپنی نبوت بھی نعوذ باللہ سرکار کے نزدیک یقینی نہ رہے گی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نبوت پر ایمان ہے اور حضور یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی کی بیوی پاک ہوتی ہے تو ان دونوں کے ملانے سے نتیجہ واضح ہو جاتا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو صدیقہ کی پاکی میں ذرہ برابر بھی شک نہ تھا۔ کیونکہ صدیقہ کی پاکی میں شک خود حضور کی اپنی رسالت میں شک کو مستلزم ہے اور

حضور اپنی رسالت میں شک کرنے سے بالکل پاک ہیں۔ لہٰذا صدیقہ کی پاکی میں شک کرنے سے بھی حضور قطعاً پاک اور مبرّا ہیں۔

اس کے بعد دوسرے شبہات کو لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زہر آمیز گوشت کیوں کھایا۔ ستر قاریوں کو جنہیں دھوکا سے شہید کر دیا گیا تھا، کیوں بھیجا۔ حضرت صدیقہ کے ہار کا حال کیوں نہ معلوم ہوا، وغیرہ وغیرہ۔

ان کے متعلق ایک جواب تو ہم پہلے دے چکے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے تمام وقائع کو لاعلمی پر محمول کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ جب "کل" اور "ما" وغیرہ الفاظ عموم قرآن و حدیث میں وارد ہو چکے اور ان میں کسی قسم کی تخصیص شارع علیہ السلام کی طرف سے نہیں ہوئی تو ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ ان واقعات کو اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی پر محمول کریں۔ کیا یہ جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر کسی امر خاص کی طرف سے حضور کی توجہ ہٹا دے، یا کوئی خاص بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھلا دے۔

کسی حکمت کی بنا پر (خواہ ہم اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ذہول و نسیان کا طاری ہونا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ یہ شان اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کہ ذہول و نسیان عدم توجہ وغیرہ سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ علم الٰہی میں کسی قسم کا تغیر جائز نہیں اور حضور کے علم میں زیادتی ذہول و نسیان جائز ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی طرف سے حضور کے ذہول میں یہ حکمت تھی کہ صحابہ جن کے پاس اس سفر میں پانی نہ تھا اور اس وقت تک تیمم کا حکم بھی نہ آیا تھا، ہار کی گمشدگی کے باعث بے وضو نماز پڑھنے کے مرحلہ تک پہنچ جائیں اور ان کے لئے مجبوری کی وہ حالت پیدا ہو جائے جو تیمم جائز ہونے کی شرط ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ تیمم کا حکم نازل فرمائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر یہ واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا تو اس کے ساتھ جن احکام شرعیہ کا تعلق تھا، وہ کیسے مرتب ہوتے۔

ستر قاریوں کی شہادت جو ان کے حق میں عظیم الشان کمال تھا، کیونکر ظاہر ہوتا اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان کے واقعہ شہادت سے نہ ہٹا دیتا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر ذہول طاری نہ ہوتا تو زہر کا ایک لقمہ حضور کیسے تناول فرماتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کے اثر سے شہادت کا جو کمال حاصل ہوا وہ اسباب ظاہری میں کیسے حاصل ہوتا؟

ہمارے اس بیان سے آپ کے سوال پر بھی روشنی پڑ گئی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم ہر وقت ہے یا نہیں؟ ہر چیز سے مراد تو وہی جمیع مخلوقات از ابتداء تا دخول جنت و نار ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ غیر متناہی اشیاء ہرگز مراد نہیں، اور ہر وقت علم ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی طرف توجہ بھی ہر وقت رہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ذہول و نسیان جائز ہے اور یہ امر بالکل محتاج بیان نہیں کہ ذہول و نسیان علم کے منافی نہیں، بلکہ یہ امور مثبت علم ہیں، کیونکہ جو چیز معلوم ہی نہ ہو اس کی طرف سے توجہ کا ہٹنا یا اسے بھولنا متصور ہی نہیں۔
رہا یہ امر کہ عدم توجہ اور نسیان کے بعد لاعلمی ہوگی، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عدم علم ثابت ہوگیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف توجہ نہ رہنا یا اس کا بھول جانا لاعلمی کو مستلزم نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ایک دفعہ بھولی ہوئی چیز کبھی یاد ہی نہ آسکے۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

کیفیتِ دلنشیں

• بہزاد لکھنوی



ہم مدینے سے اللہ کیوں آگئے، قلبِ حیراں کی تسکیں وہیں رہ گئی
دل وہیں رہ گیا، جاں وہیں رہ گئی، خم اُسی در پہ اپنی جبیں رہ گئی

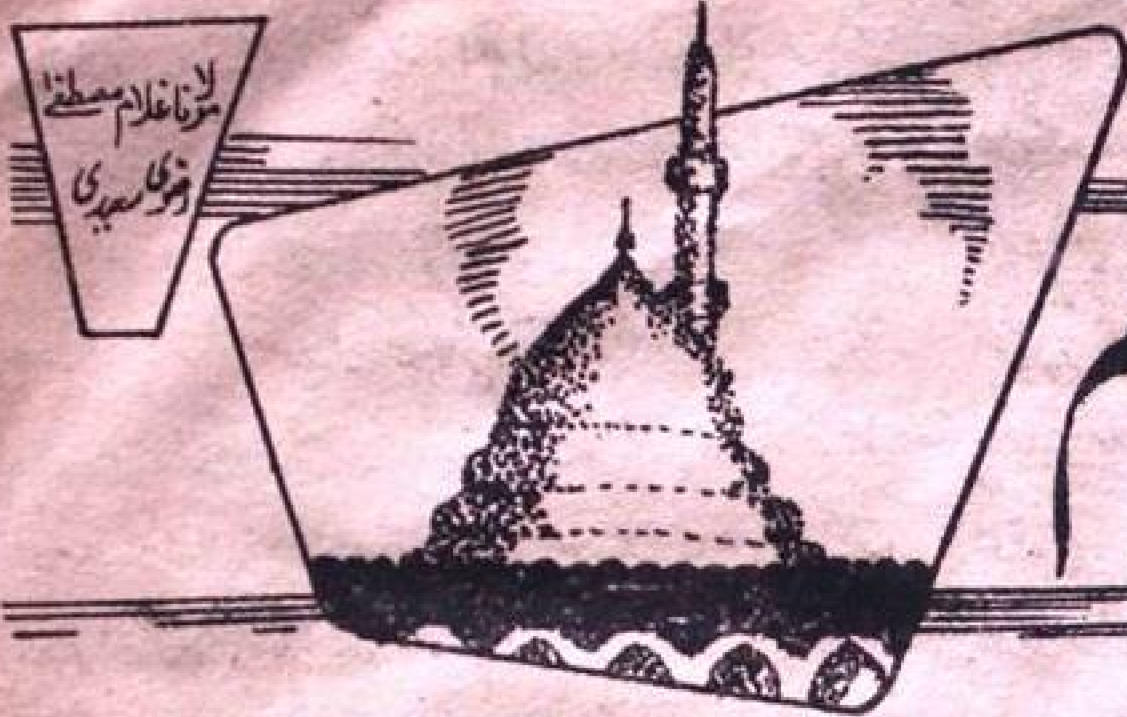
یاد آتے ہیں ہم کو وہ شام و سحر، وہ سکونِ دل و جان و روح و نظر
یہ اُنہیں کا کرم ہے، اُنہیں کی عطا ایک کیفیتِ دلنشیں رہ گئی

اللہ اللہ وہاں کا درود و سلام، اللہ اللہ وہاں کا سجود و قیام
اللہ اللہ وہاں کا وہ کیفِ دوام، وہ صلوٰۃِ سکوں آفریں رہ گئی

پڑھ کے نصرٌ مِن اللہ و فتحٌ قریب ہم رواں جب ہوئے سوئے کوئے حبیب
رحمتیں برکتیں ساتھ چلنے لگیں، بے بسی زندگی کی یہیں رہ گئی!

جس جگہ سجدہ ریزی کی لذّت ملی، جس جگہ ہر قدم اُن کی رحمت ملی
جس جگہ نور رہتا ہے شام و سحر وہ فلک رہ گیا وہ زمیں رہ گئی

زندگانی وہیں کاش ہوتی بسر، کاش بہزاد آتے نہ ہم لوٹ کر
اور پوری ہوئی ہر تمنّا مگر، یہ تمنّائے قلبِ حزیں رہ گئی



قسط ۶

تاجدارِ دو عالم

ہجرت کے ابتدائی مراحل

مومن کی زندگی میں بھی کتنے انقلابات پوشیدہ ہیں۔ متاعِ ایمان کے لئے اپنے محبوب وطن کو چھوڑنا، عزیز و اقارب سے تعلقات ختم کرنا، مال اور دولت کو دین و مذہب کی خاطر ترک کر دینا۔ واقعی مومن کا بڑا مقام ہے ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

اس معاہدہ کے بعد سرکارِ دو سرا نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ جو لوگ ہجرت کرنا چاہتے ہوں وہ یثرب (مدینہ) چلے جائیں۔ یہ خوشخبری سُن کر صحابہ کرام فوراً تیار ہو گئے، وطن، رشتہ داریاں، باپ، بھائی، زن و فرزند چھوڑنے کا انہیں ذرا بھی احساس اور رنج نہ ہوا، بلکہ وہ اس بات میں خوش تھے کہ ہم وہاں جا کر خدائے لم یزل کی توحید کو علی الاعلان بیان کر سکیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریزیوں سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے تھوڑی تعداد میں مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا۔ حضور علیہ السّلام وحی کے منتظر رہے کہ حکم آئے اور ہجرت کریں۔

ہجرت میں مشکلات

صحابہ کرام کی پاک جماعت جب اپنے محبوب وطن کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئی تو کفار کو بھی پتہ چل گیا۔ انہوں نے سوچا کہ اگر یہ لوگ مدینہ پہنچ گئے تو وہاں ان کی قوت مضبوط اور مستحکم ہو جائے گی۔ یہ لوگ اپنی ٹھوس طاقت کے ساتھ ہمارا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے لہٰذا ان کو وہاں جانے سے روکا جائے۔ اور اسی مقام پر ان کو تکلیف و اذیت میں مبتلا کیا جائے۔ چنانچہ قریشِ مکہ نے ہجرت کرنے والے صحابہ کو تکلیف پہنچانی شروع کر دی۔

حضرت صہیب رومی جب ہجرت کے ارادے سے روانہ ہوئے تو زادِ سفر کے طور پر کچھ چیزیں آپ کے ہمراہ تھیں۔ قریش نے انہیں گھیر لیا اور کہا کہ۔ اے صہیب! جب تم یہاں آئے تھے تو غریب اور مفلس تھے۔ اب ہمارے ملک سے دولت سمیٹے جا رہے ہو۔ ہم نہیں جانے دیں گے یہ کہکر ان کی ساری پونجی چھین لی۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ دردناک ہے۔ وہ یہ کہ جب حضرت ابو سلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ کو اونٹ پر بٹھایا۔ اور چھوٹا بچہ ان کی گود میں دیا ابھی چلنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ حضرت ام سلمہ کے خاندان والے آگئے اور کہا۔ اے ابو سلمہ! تم جا سکتے ہو لیکن ہم اپنی لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔ اتنے میں ابو سلمہ کے

خاندان کے لوگ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا! اے ابو سلمہ! تم جا سکتے ہو۔ چونکہ بچہ ہمارے خاندان سے ہے لہٰذا یہ نہیں جا سکتا! اور انہوں نے بچے کو چھین لیا۔

شہید کرنے کا ناپاک ارادہ

مسلمان آہستہ آہستہ مکہ سے ہجرت کرتے چلے گئے۔ مکہ معظمہ میں صرف حضور علیہ السلام اور جلیل القدر صحابہ میں سے صدیق اکبر اور علی المرتضیٰ باقی رہ گئے۔ قریش مکہ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو انہیں تشویش لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کی زیادہ تعداد تو مدینہ چلی گئی، ادھر جو لوگ باقی ہیں وہ بھی چلے جائیں گے۔ وہاں پر یہ لوگ اپنی طاقت مضبوط کر کے ہم پر حملہ آور ہوں گے مسلمانوں کا سیلاب ہمیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ چنانچہ قریش مکہ نے فوری طور پر اپنی مشورہ گاہ میں ایک مجلس شوریٰ بلائی اور پیش نظر خطرات کے متعلق غور و خوض شروع ہوا۔ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی لیکن بات ان کی سمجھ میں آئی آخر ایک شخص بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ ان کو کسی مکان میں قید کر لیا جائے۔ کھانا پینا بند کر دیا جائے۔ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ یہ مشورہ باطل ہے۔ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فدائی ان پر جان قربان کرتے ہیں۔ یہ جہاں بھی ہوئے وہ نکال لیں گے۔ دوسرا بولا۔ میری رائے یہ ہے کہ انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ شیخ نجدی (شیطان) بولا یہ رائے تو پہلی رائے سے بھی زیادہ غلط ہے۔ کیونکہ محمد کی زبان میں بے حد تاثیر ہے۔ یہ جہاں بھی جائیں گے اپنی خوش بیانی سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیں گے اور پھر ان کی قوت زیادہ ہو جائے گی۔ یہ رائے بھی مسترد کر دی گئی۔ اخیر میں ابوجہل بولا۔ میری رائے یہ ہے کہ مکہ کے تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی چن لیا جائے۔ وہ سب مل کر رات کی تاریکی میں ان کو شہید کر دیں۔ اس صورت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خون کسی ایک قبیلہ کے ذمہ نہیں ہوگا۔ اور عبد مناف قریش کے تمام قبائل سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا معاملہ خون بہا پر ٹل جائے گا۔ ابوجہل کی اس ناپاک رائے کی تائید میں ہر طرف سے مرحبا، مرحبا کی صدائیں بلند ہونی شروع ہو گئیں اور یہ بات طے کر لی گئی۔

سرکار کی ہجرت

آخر ۲۷ صفر کا دن آپہنچا۔ دن گزر گیا، رات آگئی۔ رات ابھی تھوڑی سی گزری تھی کہ سوچے ہوئے منصوبے کے مطابق شمشیر بکف کفار نے حضور علیہ السلام کے دولتکدہ کو گھیر لیا۔ آپ نے اپنے پیارے بھائی علی المرتضیٰ سے فرمایا تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ، صبح ان امانتوں کو جو میرے پاس رکھی ہیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے آ جانا۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام مسلح کفار کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے رات کی تاریکی میں چمکتی ہوئی تلواروں میں سے نکل کر گھر سے باہر تشریف لائے حضور نے کعبہ پر آخری نگاہ ڈالی اور فرمایا۔

"اے مکہ! تو مجھے بہت پیارا ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھے یہاں نہیں رہنے دیتے۔ اگر خدا نے چاہا تو جلد ہی واپس لوٹ کر تیرے دیدار سے آنکھوں کی پیاس بجھاؤں گا۔"

یہاں سے سرکار سیدھے حضرت صدیق اکبر کے مکان پر پہنچے۔ وہ حسب پروگرام پہلے ہی تیار تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے جلدی سے سامان سفر درست کیا۔ آپ کی بیٹی اسماء نے تھیلوں کے اندر ستو باندھ دیئے اور یہ خدا کے دونوں پیارے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو پڑے۔

غارِ ثور

مکہ سے چار یا پانچ میل کے فاصلہ پر غارِ ثور واقع ہے یہ دونوں حضرات اس غار کے قریب آ گئے۔ صدیق اکبر غار کے اندر گئے تاکہ اچھی طرح اس کو صاف کر کے حضور علیہ السلام کو اندر لے جائیں۔ آپ نے غار کے اندر کے تمام سوراخ بند کر دیئے۔ لیکن ایک سوراخ بند نہ ہوا۔ اس پر اپنی ایڑی دے کر بیٹھ گئے اور سرکارِ رسالت حضرت صدیق اکبر کی گود میں لیٹ گئے۔ جس سوراخ پر صدیق اکبر کی ایڑی تھی، وہاں ایک سانپ بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے صدیق اکبر کی مقدس ایڑی پر ڈس لیا۔ لیکن صدیق اکبر نے شدید تکلیف کے باوجود اس لئے وہاں سے پاؤں نہ ہٹایا، بلکہ جنبش تک نہ کی، کہ کہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل واقع نہ ہو جائے۔

اور پھر انہیں یقین تھا کہ سانپ اگرچہ موت ہے، لیکن موت میرے پاؤں کے نیچے ہے۔ اور زندگی میری گود میں ہے۔ سانپ اگرچہ پیغامِ موت ہے۔ لیکن گود میں لیٹنے والی مقدس ہستی پیغامِ حیات ہے۔

تھوڑی دیر بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ صدیق اکبر کے چہرہ کے تغیرات کو ملاحظہ فرما کر وجہ دریافت فرمائی۔ صدیق اکبر نے زہریلے سانپ کے کاٹنے کی خبر دی۔ سرکار نے اس جگہ اپنی مبارک لعاب لگا دی، تو تکلیف فوراً ختم ہو گئی۔

حضرت صدیق اکبر کے فرزند روزانہ قریشِ مکہ کی نقل و حرکت سرگرمیوں اور سازشوں سے آنحضور کو مطلع کرتے تھے۔ صدیق اکبر کا غلام عامر رات کو بکریاں وہاں لے آتا اور دودھ دے جاتا۔ صبح تک بکریوں کے پاؤں کے نشانات بھی مٹ جایا کرتے تھے۔ تین دن تک حضور اور آپ کے یارِ غار حضرت صدیقِ اکبر اس غار میں رہے۔

قریشِ مکہ نے مکہ اور اطراف و جوانب کا کونہ کونہ چھان لیا۔ گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ لیکن ان کو حضور کا کچھ پتہ نہ چلا۔ کفار تلاش کرتے کرتے ایک دن غارِ ثور کے نزدیک بھی آ پہنچے، صدیق اکبر نے انہیں دیکھا اور آپ کو گمان ہوا کہ کہیں یہ لوگ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ عرض کیا۔ آقا! دشمن سر پہ آن پہنچا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔ یعنی "مت ڈرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

رحمۃ للعالمین

یہاں پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ فرعون کے شہر کو چھوڑ کر روانہ ہوئے اور فرعون نے تعاقب شروع کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کے ساتھیوں نے کہا انا لمدرکون یعنے اے موسیٰ ہم تو ابھی پکڑے جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ کلا معی ربی سیہدین۔ "خبردار، بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ عنقریب ہدایت کرے گا"۔

یہاں پر یہ چیز قابلِ غور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اپنے ساتھیوں کو تنبیہہ کی اور پھر صرف اپنے ساتھ رب کی معیت کا ذکر کیا اور اپنے اصحاب کو اپنے ساتھ شامل نہ کیا۔ لیکن حضور کی شانِ رحمۃ للعالمینی ملاحظہ کیجئے کہ پہلے تسلی کا لفظ بولا اور پھر فرمایا ان اللہ معنا گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اے صدیق! جب تم نے میرا دامن پکڑا ہے تو اب رب صرف میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمہارے ساتھ بھی ہے۔

صدیق و علی کی عظیم الشان قربانی

ہجرت کی شب علی المرتضیٰ کا بسترِ رسول پر تلواروں کے سایہ

میں آرام فرمانا بہت بڑا ایثار اور عظیم الشان قربانی ہے۔ ادھر صدیق اکبر کا رات کی تاریکی میں گھر، مال اور دولت چھوڑ کر حضور کے ہمراہ جانا، سرکار کو اپنے کندھوں پر سوار کرنا، سانپ کے کاٹنے کی تکلیف برداشت کرنا یہ بھی بہت بڑی قربانی ہے اسی وجہ سے عمر فاروق نے فرمایا ہے، کاش صدیق اکبر میری ساری عمر کی نیکیاں لے لیتے اور شب ہجرت کی نیکی مجھے دے دیتے (مشکوٰۃ)

غارِ ثور سے واپسی

حضور علیہ السلام نے تین دن غار میں رہنے کے بعد وہاں سے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ صدیق اکبر، صدیق اکبر کا غلام عامر بن فہیرہ اونٹنیوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن اریقط دئلی کو ساتھ لیا۔ کیونکہ وہ اس راستے سے واقف تھے۔ اونٹنیاں انہیں کے سپرد تھیں۔ اور وہی حسب الحکم غار کے دروازے پر لائے تھے۔

ادھر قریش مکہ جب حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کرنے میں ناکام رہے تو اعلان کیا کہ جو ان دونوں حضرات کو گرفتار کر کے لائے گا اُسے انعام واکرام سے مالامال کر دیا جائے گا۔ یہ اعلان سنتے ہی دولت کے بھوکے اِن مقدس حضرات کی تلاش میں نکلے۔ ان سب سے زیادہ حصہ سراقہ نے لیا۔ اور سر توڑ کوشش کر کے حضور علیہ السلام تک پہنچ گیا۔ حضرت صدیق اکبر نے سراقہ کے متعلق بتلایا۔ حضور نے دُعائے ضرر فرمائی اور سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنسنا شروع ہو گیا۔ سراقہ نے نہایت عاجزی سے معافی مانگی۔ حضور نے اظہار رحمت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے سراقہ! آج تو ہمیں گرفتار کرنے کے متعلق سوچ رہا ہے اور میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ سراقہ نے عرض کیا۔ میں واپس جاتا ہوں، مجھے عہد نامہ لکھ دیجئے کہ جب خدا آپ کو فتح دے اور آپ کامیابی و کامرانی سے مکہ میں داخل ہوں تو مجھے تکلیف نہ پہنچے حضور نے یہ عہد نامہ لکھوا دیا۔

بعد میں سراقہ مسلمان ہو گئے تھے اور فاروق اعظم کے عہد خلافت میں جب کسریٰ فتح ہوا تو حضرت عمر نے سراقہ کو بلایا اور کہا کہ سونا پہننا مردوں کے لئے حرام ہے۔ لیکن تمہارے لئے حضور نے اجازت دی ہے لہذا یہ کنگن تم پہن لو۔

ام معبد کی بکری اور حضور کا معجزہ

حضور علیہ السلام نے اس سفر کے دوران ام معبد نامی ایک عورت کے ہاں قیام فرمایا۔ اور اس عورت سے کچھ دودھ اور کھجوریں طلب کیں، جو اس کے پاس موجود نہیں تھیں۔ حضور نے ایک بکری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو اس سے دودھ دوہ لیں۔ ام معبد نے عرض کیا کہ مجھے تو انکار نہیں ہے۔ لیکن یہ بکری کبھی گابھن ہی نہیں ہوئی یہ دودھ کیا دے گی؟ آپ نے بسم اللہ کہہ کر اس کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ بکری نے دودھ دینا شروع کر دیا۔ ایک بڑا برتن بھی بھر گیا اور کئی لوگوں نے سیر ہو کر دودھ بھی پی لیا۔

سرکار کا کمالِ تدبّر

حضور اُم معبد کے خیمہ سے روانہ ہوئے۔ یثرب کا راستہ بہت ہی سنگلاخ اور ویران تھا۔ راستہ میں نہ پانی ملتا تھا اور نہ کوئی سایہ دار درخت۔ مدینہ منورہ جانے کے لئے عام طور پر مشرقی راستہ استعمال ہوتا تھا۔ لیکن آپ نے بحیرہ احمر کے سامنے والا مغربی راستہ اختیار فرمایا۔ یہ راستہ اختیار فرمانے کے باوجود کبھی ادھر مڑ جاتے کبھی اُدھر۔ کبھی ساحلِ سمندر سے دُور ہٹ کر چلتے اور کبھی ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ۔ آپ راستے تبدیل کرتے اور منزل بدلتے ہوئے یہ سفر طے کرتے رہے تاکہ قریش

(باقی صـ ۲۰۳)

قسط ۵

حدیثِ جبرائیل علیہ السلام

ابوالانور محمد سرور العباسی القادری بھرچونڈوی

شبہ (۲) کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب عطائی کی نفی پر دلالت کرتی ہو اور معاند کی پیش کردہ آیت

۱۔ عندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو

اور ۲۔

۲۔ قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ

میں علم غیب ذاتی کی نفی ہے عطائی کی نہیں۔ کیونکہ اگر ان آیتوں سے علم غیب عطائی کی نفی مراد ہو تو جس غیب کی غیر اللہ سے نفی کی جا رہی ہے اسی غیب کا لفظ اِلّا کے ساتھ اللہ کے لئے استثناء ہوگا۔ حاصل یہ کہ اگر غیب ذاتی کی نفی مراد ہو تو لفظ اِلّا کے ساتھ اسی غیب ذاتی کا ثبوت اللہ تعالیٰ کیلئے ہوگا۔ اور صحیح بھی یہی ہے۔ اور اگر غیب عطائی کی نفی مراد ہو تو لفظ اِلّا کے ساتھ اسی غیب عطائی کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثبوت ہوگا۔ حالانکہ یہ غلط ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں آیتوں میں علم غیب ذاتی کی نفی ہے اور ہمارا دعوےٰ علم غیب عطائی کا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے حال پر باقی ہے۔

ازالۂ شبہ۔ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ علم غیب بتلا دینے کے بعد علم غیب نہیں رہتا۔ کیونکہ علم غیب اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ میں سے کسی بھی حس کے ذریعہ معلوم نہ ہوا ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کہاں سے ثابت کرو گے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جمیع علوم حواس سے حاصل ہوتے ہیں؟ ہے کوئی شاہد؟ لاؤ ہم بھی تمہاری جرأت کا اندازہ لگالیں۔ حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ تم سے ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تو پھر اس آگ سے ڈرو، جس میں انبیاء علیہم السلام کے گستاخوں کو ذلّت و رسوائی کے ساتھ منہ کے بل گھسیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جب تمہیں تمہارے حق میں کوئی شاہد نہ مل سکا تو ہم اپنے حق میں شاہدِ اعظم پیش کرتے ہیں کیا ان کی تصدیق کرو گے یا عادت دیرینہ کے موافق تکذیب؟

امام غزالی

حجۃ اللہ علی الارض امام الاولیا، سید الاتقیاء سیدی وسندی امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک کے دل میں خاطر مستقیم (بیان حق) الہام کے طریقے پر ضرور داخل ہوتا ہے۔ وہ حواس کے راستہ سے نہیں گزرتا بلکہ دل میں ایسے طریقے پر داخل ہوتا ہے کہ اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے آیا کیونکہ دل عالم ملکوت (غیب) سے ہے اور حواس عالم ملک (شہادت) کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔" الخ

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"(مؤمن) اعمال ردیئہ و اخلاق قبیحہ سے بچنے اور عبادات و ریاضات و مجاہدات میں منہمک ہونے والا جب خالی مکان میں حواس (ظاہرہ) کے راستوں کو بند کر کے باطن کی آنکھ اور کان

کھول کر دل کو عالم ملکوت (غیب) کی مناسبت میں کرتا ہے اور ہمیشہ کہتا ہے "اللہ اللہ اللہ" دل کے ساتھ زبان کے سوا، یہاں تک کہ اپنے آپ سے اور اس عالم سے بے خبر ہو کر سوائے اللہ کے کچھ نہیں دیکھتا۔ اس کی باطنی طاقت وسیع ہو جاتی ہے جو کچھ پہلے نیند میں دیکھتا تھا، اب اُسے بیداری میں دیکھتا ہے، پھر اس کے سامنے ارواح ملائکہ وانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و حسین وجمیل و جلیل صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

وانکشف له ملکوت السموات والارض ورأی مالا یمکن شرحه ولا وصفه کما قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم زویت لی الارض فرأیت مشارقها ومغاربها وقال اللّٰہ تعالیٰ وکذلك نری ابراهیم ملکوت السموات والارض لان علوم الانبیاء علیهم السلام کلها کانت من هذا الطریق لا من طریق الحواس الخ

(الجواہر الغوالی للامام الغزالی ص۲۵ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ اور منکشف ہو جاتے ہیں اس شخص کے لئے آسمانوں و زمینوں کے غیب اور وہ دیکھتا ہے ایسے امور کہ جن کی شرح و بیان محال ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، سمیٹی گئی میرے واسطے کل زمین تو میں نے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اسی طرح دکھاتے ہیں ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کے غیب۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے کل علوم (غیبیہ) اسی طریقہ سے ہوتے ہیں (یعنی القاء علی القلب) حواس کے راستہ سے نہیں ہوتے۔

استدلال

امام غزالی رضی اللہ عنہ کے اس بیان واضح سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ اولیاء اللہ ذکر کی کثرت کی برکت سے وسیع الباطن و صفی القلب ہوتے ہیں۔ اور وہ فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

۲۔ انبیاء علیہم السلام کی روحیں بیک وقت مختلف مقامات پر موجود ہوتی ہیں۔

۳۔ ان کے لئے آسمانوں اور زمینوں کے غیب منکشف ہو جاتے ہیں

۴۔ خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے علوم (غیبیہ) حواس ظاہرہ کے راستے سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ان کے دل پر القاء کئے جاتے ہیں۔

مغیبات خمسہ کے متعلق ہی ہم قدرے قیل وقال کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کے بیان میں کتاب اللہ و احادیث کی روشنی سے اقوالِ اکابر عرض کر چکے ہیں اور کرتے بھی ہیں اور علم غیب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حاضر و ناظر اور نور ہونے اور دیگر مختلف فیہ مسائل سے متعلق ہم انشاء اللہ ایک جامع و مانع کتاب تصنیف کرنے والے ہیں جس میں تمام مسائل کو انشاء اللہ آفتاب سے زیادہ روشن بیان کے ساتھ واضح کریں گے۔

امام قسطلانی کا مسلک

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ولا یعلم متی تقوم الساعة احد الا اللّٰہ کے تحت ارشاد الساری شرح بخاری میں فرمایا ہے:۔

ولا یعلم متی تقوم الساعة احد الا اللّٰہ الا من ارتضی من رسول فانه یطلعه علی ما یشاء من غیبه والولی التابع له یاخذ عنه

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ص۲۸ ج۷)

ترجمہ:۔ اور نہیں جانتا ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ کوئی شخص

سوائے اللہ کے، ہاں جس رسول کو (اللہ) چن لے تو اُسے اپنے ذاتی غیب سے جتنا چاہے اطلاع دیتا ہے۔ اور ولی جو نبی کے تابع ہے، وہ اس نبی سے (علمِ غیب) لیتا ہے۔"

استدلال

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے چند مسائل معلوم ہوئے:۔

۱۔ کاہن، نجومی، عامۃ الناس قیامت کے وقوع کے وقت سے بے خبر ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ رسولوں کو قیامت کے وقوع کے وقت پر مطلع فرمایا ہے۔

۳۔ اولیاء اللہ جو نبی کے تابع ہیں وہ قیامت کے وقوع کے وقت کا علم اور دوسرے مغیبات کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیتے ہیں۔

۴۔ انسان جتنا بھی بزرگ اور ولی اللہ، بلند سے بلند درجہ پر ہو جائے، اس سے نبی کی ذاتِ گرامی کا وسیلہ نہیں چھوٹا جا سکتا۔

اگر ارشاد الساری میسّر نہ ہو سکے تو بخاری شریف تو ہر مشتاقِ دید کو حاصل ہو سکتی ہے۔ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قولِ مبارک بخاری شریف جلد دوم صہ ۶۸۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی بین السطور یعنی سطر ۱۵ کے تحت مرقوم ہے۔

امام سیوطیؒ

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الخصائص الکبریٰ" میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

ذهب بعضهم الى انه صلى الله عليه وسلم اوتى
علم الخمس ايضاً وعلم وقت الساعة والروح وانه
امر بكتم ذلك (الخصائص الکبریٰ ج ۲ صہ ۱۵۲ طبع حیدرآباد دکن)

ترجمہ:۔ "اور بعض محدثین اس (مسلک) کی طرف گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (دوسرے بے شمار مغیبات کے علاوہ) پانچوں غیبوں کا علم بھی دیئے گئے ہیں۔ اور (خصوصاً) قیامت کے وقت و روح کی حقیقت کا علم اور آپ کو ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔"

استدلال

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے چند مطالب برآمد ہوئے:۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیبات خمسہ کا علم ہے۔

۲۔ خصوصاً قیامت کے وقوع کے وقت کا اور روح کی حقیقت کا علم آپ کو دیا گیا ہے۔

۳۔ آپ کو پھر ان غیبوں کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔

۴۔ کسی چیز کو مصلحت کی بنا پر چھپانا علم کی نفی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

ف۔ روح کے متعلق امام غزالی کی کتاب "احیاء علوم الدین" جلد ۱ صہ ۱۰۶ پر مطالعہ کرنا چاہیئے۔

امام زرقانی

امام عبدالباقی زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ شارح المواہب اپنی کتاب زرقانی شریف شرح المواہب میں فرماتے ہیں

وقد اعلمه الله تعالى ماعدا مفاتح الغيب
الخمسة وقيل حتى هى وامره بكتمها كما
فى الخصائص۔ (زرقانی جلد ۱ صہ ۸)

ترجمہ:۔ "اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماسوائے مفاتح غیب خمسہ کے سب کچھ تبلا دیا۔ اور (محدثین کی طرف سے) کہا گیا ہے کہ وہ بھی مغیبات خمسہ بھی تبلا دیئے۔ مگر چھپانے کا حکم

دیا۔ جیسا کہ خصائص کبریٰ میں ہے۔"

الشیخ الشنوانی

حضرت شیخ شنوانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حاشیۃ الشنوانی علی مختصر ابن ابی جمرہ میں مغیبات خمسہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

واجیب بان ھذا الحصر بالنسبۃ للعامۃ لا الخاصۃ وقد ورد ان اللہ لم یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا حتی اطلعہ علی کل شئ۔ (حاشیۃ الشیخ الشنوانی صہ ۵۵۵)

ترجمہ:۔ "اور جواب دیا جاتا ہے بایں صورت کہ آیۃ کریمہ میں حصر بہ نسبت عام لوگوں کے ہے (یہ حصر) خواص (اولیاء و انبیاء) کے لئے نہیں۔ اور (کتب معتبرہ میں) وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس دنیا سے نہیں بلایا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع کر دیا۔"

عبارت بالا مندرجہ میں جملہ "حتی اطلعہ علی کل شئ" ملحوظ خاطر رہے۔ پھر مغیبات خمسہ کے متعلق گزارش سنئیے۔

الشیخ حسن المدابغی

حضرت شیخ علامہ عارف باللہ سیدی حسن المدابغی رحمۃ اللہ علیہ "فتح المبین" شرح اربعین کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

والحق ماقالہ جمع ان اللہ سبحانہ وتعالیٰ لم یقبض نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام حتی اطلعہ علی ما کل ابھمہ عنہ الا انہ امرہ بکتم بعض والاعلام ببعض۔ (حاشیہ فتح المبین صہ ۸۲)

ترجمہ:۔ "حق وہی ہے جو علماء محدثین کی بہت بڑی جماعت نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام کو دنیا سے قبض نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ جو آپ سے پوشیدہ کر رکھا تھا اس پر آپ کو اطلاع دے دی۔ مگر آپ کو بعض کے چھپانے اور بعض کے ظاہر کرنے کا حکم فرمایا۔"

الشیخ ابراہیم الشبرخیتی المالکی

اور اسی طرح الشیخ العلامہ عارف باللہ سیدی ابراہیم بن مرعی بن عطیہ شبرخیتی مالکی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:۔

والحق ماقالہ جمع ان اللہ سبحانہ وتعالیٰ لم یقبض نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام حتی اطلعہ علی کل ما ابھمہ عنہ الا انہ امرہ بکتم بعض والاعلام ببعض۔ (الفتوحات الوھبیہ صہ ۸۰)

ترجمہ:۔ "حق وہی ہے جو علماء محدثین کی بہت بڑی جماعت نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام کو دنیا سے قبض نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپ سے پوشیدہ کر رکھا تھا اس پر آپ کو اطلاع دے دی۔ مگر بعض کو چھپانے اور بعض کے ظاہر کرنے کا حکم فرمایا۔"

پہلی عبارت میں جملہ حتی اطلعہ علی کل شئ ملحوظ خاطر رکھنے کے بعد ان دونوں بزرگانِ دین کی دونوں عبارتوں میں جملہ حتی اطلعہ علی کل ما ابھمہ عنہ بھی ملحوظ خاطر رہے۔

ف:۔ لفظ کل جہاں بھی ہماری عبارات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف سے متعلق پایا جائے وہاں کل تناہی یعنی معلوماتِ الٰہیہ کا بعض مراد ہوگا۔ اور پھر آپ کی معلومات میں ما کان ویکون تفصیلا اور مغیبات خمسہ اور علم لوح محفوظ داخل ہوگا۔ مگر بایں ہمہ آپ کا علم شریف معلوماتِ الٰہیہ کا ایک قطرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الشیخ احمد الصاوی المالکی

نیز الشیخ العارف باللہ سیدی احمد الصاوی المالکی کا ارشاد گرامی بھی کان دھر کر سنئیے اور پس پشت مت پھینکئے:۔

قال العلماء الحق انه لم یخرج نبینا صلی اللہ
علیہ وسلم من الدنیا حتی اطلعہ اللہ علی
تلک الخمس ولکنہ امر بکتمھا۔

(الصاوی علی الجلالین صہ ۲۶۰/۲۶۱ ج ۳)

ترجمہ: "علمائے حق نے فرمایا ہے، حق یہی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچوں غیبوں پر اطلاع دے دی، لیکن آپ کو ان کے چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔"

ان تصریحات سے بینا آدمی بصارت و نظارت حاصل کرکے قبولِ حق سے گریز نہیں کرتا، مگر جو کور باطن ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ازلی اندھا کیا ہے، وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ واجماع اکابر سے روگرداں ہوکر اور توضیحاتِ اکابر کو پسِ پشت ڈال کر، تصنیفاتِ عظیمہ و تالیفاتِ جلیلہ سے بجائے استفادہ کے سوء ادبی کے گڑھے میں پڑا کہتا ہے

ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں! (معاذ اللہ)

علمِ سحر

بعض جہلاء کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم ہے اور آپ کو تمام علوم (متناہیہ) عطا ہوئے ہیں، تو جادو کا علم بھی آپ کو ہوگا، حالانکہ جادو کا علم جادو کی طرح مذموم و قبیح ہے، اور ایسے علم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک و منزہ ہونا ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی بہت بڑا فریب اور مکر ہے، کیونکہ جادو کا علم اگر برا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے پاک ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا اس (علم جادو) سے پاک و منزہ ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ بھی تو کہنا چاہئے کہ علم جادو اللہ کے پاس نہیں ہے، کیونکہ وہ علم مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس سے پاک ہونا ضروری ہے

حالانکہ جو ایسا قول کرے اس پر ہر طرف سے لعنتیں پڑیں گی۔ معلوم ہوا کہ علم کسی چیز کا بھی فی نفسہ ہرگز ہرگز برا نہیں، بلکہ ہر چیز کا علم فی نفسہ شریف ہے۔ (اس کی تشریح مع دلائل ہماری تفسیر انوری ہدیہ سروری میں ملاحظہ فرمائیں) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

فاعلم ان العلم شریف من غیر نظر الی جہتہ
المعلوم حتی ان علم السحر شریف بذاتہ و
ان کان باطلا۔ (جواہر الغزالی للامام الغزالی صہ ۲۲)

ترجمہ: "جان لو کہ علم (ہر چیز کا) فی نفسہ شریف و بزرگ ہے، جہت معلوم سے قطع نظر کرکے یہاں تک جادو کا علم بھی بذاتہ بزرگ ہے۔ اگرچہ (جہت معلوم سے) باطل و مردود ہے۔"

خلاصہ یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "ما المسئول عنھا باعلم من السائل" اس بنا پر نہیں تھا کہ آپ قیامت کے وقوع کے وقت کو نہیں جانتے تھے بلکہ اس بنا پر کہ آپ کو مغیبات خمسہ کا علم اور خصوصاً قیامت کے وقوع کے وقت کا علم عطا ہوا۔ مگر مصلحت کی بنا پر آپ کو پھر اس کے چھپانے کا حکم دیا گیا تو عدم اظہار عدم علم کو قطعاً مستلزم نہیں ہے۔ کما صرحنا کرات و مرات فافھم وتدبر۔

بقیہ: تاجدارِ دو عالم

سراغ نہ پا سکیں، آپ کمال تدبر سے مختلف راستوں سے گزر کر "وادی عقیق" میں داخل ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول کو قبا میں پہنچ کر عمرو بن عوف کے ہاں قیام فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مکہ مکرمہ میں حسب الحکم امانتیں واپس کرکے قبا ہی میں آپ سے آملے۔ حضور نے قبا میں ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا جسے مسجد قبا کہتے ہیں قبا اور مدینہ منورہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ (باقی باقی)

از مولانا حافظ عبدالحکیم صاحب شجاع آباد

کفارہ!

کفارہ جس کی کوئی اصل نہیں!

عیسائیت کہتی ہے کہ آدم نے گناہ کیا۔ اور اس کا یہ گناہ تمام انسانوں کو ورا ثتہً ملا۔ اس لئے کوئی انسان گناہ سے پاک نہیں اور گناہ گار کو معاف کرنا تقاضائے عدل کے خلاف ہے اور اللہ رحیم بھی ہے۔ اگر کسی کی نجات نہ ہو تو یہ رحم کے خلاف ہے اس لئے اللہ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع مسیح کو سُولی پر چڑھا دیا۔ تاکہ وہ اپنے ماننے والوں کے لئے باعثِ نجات ہو اور ان کے گناہوں کا کفارہ بنے۔ دُوسرے لفظوں میں ان کے گناہوں کی بھینٹ چڑھا دیا ـــــــ اس عبارت میں مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ آدم گناہ گار تھے (۲) اس لئے گناہ ہر انسان کو ورثہ میں ملا (۳) گناہگار کی نجات عدل کے خلاف ہے ـــ اور کسی کی نجات کا نہ ہونا رحم کے خلاف ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ گناہ گار کی نجات عدل کے خلاف ہے۔ تو عیسائیت کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں اور ہو بھی نہیں سکتی۔ بھلا خدا قادر کریم ہے وہ اگر کسی کے چھوٹے سے گناہ کو اپنی رحمت کے ذریعہ معاف کر دے تو اس میں کیا حرج ہے۔ رہی یہ بات کہ آدم گناہ گار تھے۔ تو بائبل [۱] کی رو سے نہ شیطان گنہ گار تھا، نہ آدم، بلکہ گناہ العیاذ باللہ خود رب کا تھا۔ چنانچہ پیدائش باب ۲ آیۃ ۱۶-۱۷ میں لکھا ہے:۔

"اور خداوند خدا نے حکم دیا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے۔ لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کبھی نہ کھانا کیونکہ تُو نے جس روز اس میں سے کھایا تو مرا۔"

پھر آگے لکھا ہے:۔

"خدا نے کہا جو درخت باغ کے بیچ میں ہے، تم نہ تو اسے کھانا، نہ چھونا ورنہ مر جاؤ گے۔" (پیدائش باب ۳ آیۃ ۳)

اب سانپ [۲] آتا ہے۔

"سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے بلکہ خدا جانتا ہے جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔"

(پیدائش باب ۳ آیۃ ۵)

۱۔ بائبل سے مراد وہ حصہ ہے جو حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰ اور اُن کے حواریوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ حضرت موسیٰ سے ملاکی نبی تک کا حصہ پرانا عہد نامہ کہلاتا ہے حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کے حالات کا حصہ نیا عہد نامہ کہلاتا ہے۔ یہودی صرف پرانا عہد نامہ مانتے ہیں۔ اور عیسائی دونوں کو مانتے ہیں پرانے عہد نامہ میں حضرت موسیٰ کی پانچ کتابیں شامل ہیں ان میں پہلی کتاب پیدائش ہے اور اسی میں آدم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ۲۔ بائبل میں سانپ کا لفظ برائے شیطان ہے۔

اب اسی طرح لکھا ہے۔

"خدا نے کہا۔ جس روز تو نے کھایا تو مرا"۔ (پیدائش باب ۲ آیۃ ۱۷)

اب اندازہ فرمائیے کہ خدا فرماتا ہے۔ تو اس کے کھانے سے مر جائیگا لیکن شیطان نے کہا، تم نہیں مرو گے۔ ہر انسان بخوبی جانتا ہے کہ جس درخت کے متعلق خدا نے آدم کو موت سے ڈرایا وہ درخت ان کے لئے موت کا باعث نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے پھل کھانے سے بھی آدم زندہ رہے۔ پھر بائیبل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخت حیات کا تھا (دیکھو پیدائش باب ۲ آیۃ ۸ تا ۱۰)

جسے خدا نے موت کا درخت بتایا۔ اس لحاظ سے شیطان بھی سچا رہا۔ کیونکہ اس نے صحیح بات بتائی اور آدم نے بھی اس درخت کا پھل نہیں کھایا جس سے کہ وہ مر جاتا۔ تو جھوٹ صرف خدا نے بولا۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ آدم پھل کھانے کے باوجود بھی نہیں مرے۔ پھر خدا کی وہ بات کہاں گئی کہ جس روز تو نے کھایا تو مرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ العیاذ باللہ خدا نے جھوٹ بولا تھا۔ رہا یہ سوال کہ کوئی انسان گناہ سے پاک نہیں، بلکہ ہر انسان میں آدم کا گناہ وراثۃً پہنچا۔ تو خود بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے انسان آدم کی اولاد سے ہونے کے باوجود گناہ سے پاک تھے۔ دیکھئے پولوس لکھتا ہے:-

"موت نے ان پر بھی بادشاہی کی جنہوں نے اس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گناہ نہ کیا تھا" (رومیوں باب ۵ آیۃ ۱۴)

اسی طرح ملک صدق سالم (ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا بادشاہ) کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ہے (عبرانیوں باب ۷ آیۃ ۱-۳) ان دونوں حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ بہت سے آدمی گناہوں سے پاک تھے اور ملک صدق سالم کی مشابہت کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ خدا کے بیٹے کی طرح گناہوں سے پاک تھا۔ اسی طرح حنوک (ادریس علیہ السلام) کے متعلق لکھا ہے:-

"وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا" (پیدائش باب ۵ آیۃ ۲۲ تا ۲۴)

خدا کے ساتھ چلنے کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قانون کو راہ عمل بنایا اور خدائی قانون سے نہیں ہٹے۔ بائیبل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدم کا گناہ بخشا گیا۔ اگر آدم کا گناہ بغیر کفارہ کے بخشا جا سکتا ہے تو دوسروں کا کیوں نہیں۔ پھر اگر گناہ میں وراثت کو دخل ہوتا تو آدم بھلا کیسے گناہ گار ہوئے۔ اس سے بھی زیادہ خرابی کی بات یہ ہے کہ اگر گناہ وراثۃً چلتا ہے تو عورتیں بھی گنہگار ہونگی کیونکہ وہ بھی آدم و حوّا سے پیدا ہوئیں۔ اور حوّا نے بھی پھل کھایا۔ بلکہ بائیبل کے حکم کے مطابق پہلے حوّا نے خود کھایا۔ پھر آدم کو دیا۔ (دیکھو پیدائش باب ۳ آیۃ ۶) اس لحاظ سے حوّا بھی گناہ گار رہیں، بلکہ بائیبل تو عورت کو گناہ کی جڑ قرار دیتی ہے۔ (دیکھو پیدائش باب ۳ آیۃ ۲۰)

اس بنا پر مریم بھی اس گناہ سے محفوظ نہیں۔ پھر جیسے جو ان سے پیدا ہوئے وہ بھی گناہ گار رہے۔ لہٰذا جو گنہگار ہوگا، وہ دوسروں کے لئے کفارہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کو تو اپنی نجات کی ضرورت ہے۔ اگر کفارہ کا یہ من گھڑت عقیدہ تسلیم کر لیا جائے تو یسوع مسیح کے آنے سے پہلے کے لوگ، سب دوزخی ہوں گے۔ کیونکہ نجات صرف اسی کی ہوگی، جو یسوع مسیح کو مانے گا۔ اور ان کے دین پر ایمان رکھے گا۔ ان کے لئے یسوع مسیح کفارہ ہو جائیں گے تو جو پہلے گذر گئے ان کا کیا بنے گا۔ جن میں انبیاء بھی شامل ہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب تین اقنوم تھے تو بیٹے خدا کو قربانی کا بکرا کیوں بنایا گیا۔ باپ خدا اور روح القدس خدا کیوں

(باقی ص پر)

مجاہد اعظم

ادیب منیب فریدی ایم اے علیگ

کفر کی کالی گھٹا مذہب پہ جب چھانے لگی
دین کے شانوں پہ زلفِ شرک لہرانے لگی

جب عبادت کو مسلماں سے حیا آنے لگی
چاندنی جب ملتِ بیضا کی گہنانے لگی

نفس کی موجوں میں جب روحِ شریعت بہہ گئی
جب اذاں سکوں کی جھنکاروں میں دب کر رہ گئی

ایسے نازک دور میں اک مردِ حق حجرہ نشیں
محرمِ رمزِ شریعت واقفِ اسرارِ دیں

جانِ خاتونِ قیامت روحِ ختم المرسلیں
جس کی عظمت کا تصور کوئی کر سکتا نہیں

گوشۂ عزلت سے باہر آگیا مردانہ وار
لافتیٰ الّا علی لا سیف الّا ذوالفقار

وہ حسین ابنِ علی رازِ ازل کا رازدار
جس کے تیور پر نظامِ دو جہاں کا انحصار

پھیر دیں جس کی نگاہیں گردشِ لیل و نہار
جس کی ہر تشنہ نظر تسنیم و کوثر در کنار

ملتِ اسلام کی عقدہ کشائی اس نے کی
ہ"کشتیٔ اُمت کیلیے ننگ ناخدائی اس نے کی"

نور پھیلایا جہاں میں نور کی تنویر نے
اک نئی انگڑائی لی اسلام کی تقدیر نے

حوصلے دل کے بڑھائے نعرۂ تکبیر نے
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں شبیر نے

آشکارا کر دیا، باطل ابھر سکتا نہیں
موت سے بھی زندۂ جاوید مر سکتا نہیں

السّلام اے پاسبانِ قصرِ ایماں السّلام
السّلام اے رہنمائے راہِ عرفاں السّلام

السّلام اے مظہرِ انوارِ یزداں السّلام
السّلام اے پیکرِ تصویرِ قرآں السّلام

السّلام اے نازشِ صبر و اطاعت السّلام
السّلام اے زینت افزائے شہادت السّلام

اے امامِ دیں! اے شہزادۂ کون و مکاں
اے نگہبانِ شریعت ترجمانِ کن فکاں

اے سرِ مقتل نبوت کے اکیلے پاسباں
حشر تک گونجے گی تیرے حق کی تیری خونچکاں اذاں

جان دے کر صور پھونکا نعرۂ تکبیر کا
رنگ گہرا کر دیا ایمان کی تصویر کا

خون سے تیرے بنائے شرع محکم ہو گئی
تیری قربانی سے تنظیمِ دو عالم ہو گئی

بزمِ باطل تیرا نعرہ سن کے برہم ہو گئی
تیری خوں میں آستیں ملت کا پرچم ہو گئی

ظلم سے انسانیت مجروح ہو سکتی نہیں
جسم ہو سکتا ہے فانی روح ہو سکتی نہیں

تو نے سمجھایا کہ شانِ آمریت کچھ نہیں
قوتِ حق کے علاوہ کوئی قوت کچھ نہیں

دل غنی ہے تو یہ دولت یہ حکومت کچھ نہیں
ذہن کا اک خوشنما دھوکا ہے عشرت کچھ نہیں

جان دیتا ہے مسلماں وعدۂ دیدار پہ
رقص کرتا ہے مجاہد تیغ کی جھنکار پہ



ہ یہاں اصل مصرعہ یہ تھا "بندگی کا نام تھا، ورنہ خدائی اس نے کی"۔ ہم نے اس کی جگہ دوسرا مصرعہ رکھ دیا۔ اُمید ہے اس تصرف میں ہمیں حق بجانب سمجھا جائے گا۔ (مدیر)



پیکرِ صبر و رضا

عزیز حاصل پوری، ملتان

ترے عزم و وفا پر استقامت ناز کرتی ہے
شہیدِ کربلا! تجھ پر شہادت ناز کرتی ہے

امامت ناز کرتی ہے، ولایت ناز کرتی ہے
تقدس پر ترے تقدیسِ شوکت ناز کرتی ہے

فراست ناز کرتی ہے، سیاست ناز کرتی ہے
تری دانائی پر دُنیائے حکمت ناز کرتی ہے

شریعت ناز کرتی ہے، طریقت ناز کرتی ہے
ترے حُسنِ عمل پر شکلِ سیرت ناز کرتی ہے

دیا ہے تُو نے درسِ صبر و استقلال دُنیا کو
ترے ایمانِ کامل پر شجاعت ناز کرتی ہے

جہاں میں شاہدِ مقصودِ فطرت ذات ہے تیری
تری تخلیق پر واللہ فطرت ناز کرتی ہے

یزیدِ رُو سیہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تُو نے
بجا تجھ پر ترے نانا کی اُمت ناز کرتی ہے

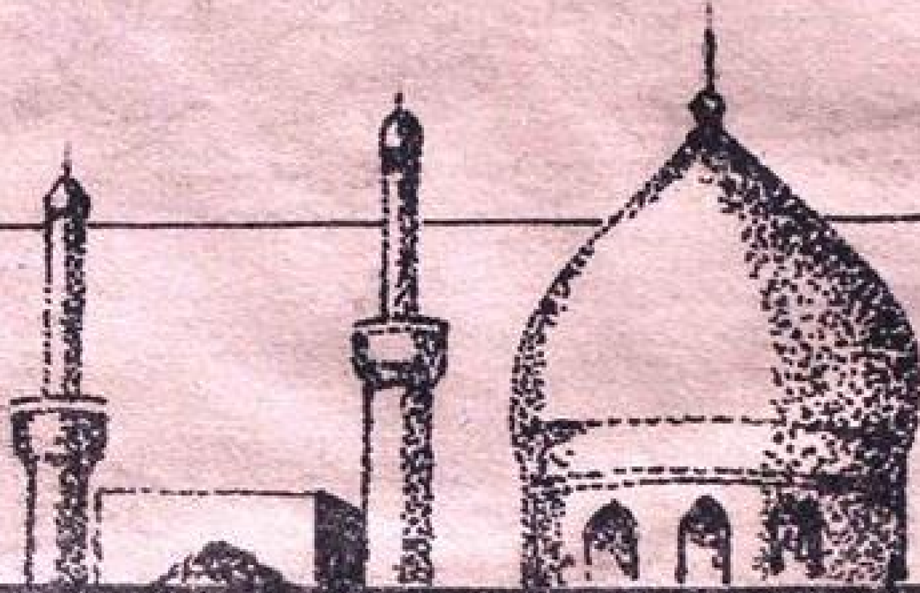
ترے ایوانِ تسلیم و رضا کی شان، کیا کہنا
کہ اس پر گلشنِ ایماں کی زینت ناز کرتی ہے

کٹایا سر، لُٹایا گھر، بسایا در جہاں تُو نے
اب اُس تپتے ہوئے صحرا پہ جنت ناز کرتی ہے

سلام اے سیّدہ کے لال، ارمانِ دلِ حیدر
کہ تجھ پر شاہیٔ مُلکِ سیادت ناز کرتی ہے

عزیز ابنِ علی و قرۃ العینِ محمد پر
ریاضِ صبر کے پھولوں کی نزہت ناز کرتی ہے

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے رفقاء کی بے مثال جانبازیاں



قیامت نما حادثہ

از قلم سید المفسرین
الحاج مولانا محمد نعیم الدین
مراد آبادی رح

زمینِ کربلا کا خونی منظر

ولادتِ مبارکہ

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۵ شعبان سنہ ۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام حُسین اور شبیر رکھا اور آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب سبط رسول اللہ، اور ریحانۃ الرسول ہے اور آپ کے برادر معظم کی طرح آپ کو بھی جنّتی جوانوں کا سردار اور اپنا فرزند فرمایا۔ حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ کمال رافت و محبت تھی حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

عن ابن عباس مَن احبّہما فقد احبّنی ومَن ابغضہُما فقد ابغضنی!

یعنی "جس نے ان دونوں (امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما) سے محبّت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت کی اُس نے مجھ سے عداوت کی"

جنّتی جوانوں کا سردار فرمانے سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ راہِ خدا میں اپنی جوانی میں راہی جنّت ہوئے، حضرت امامین کریمین ان کے سردار ہیں۔ جوان کسی شخص کو بلحاظ اس کی نوعمری کے بھی کہا جاتا ہے اور بلحاظ شفقتِ بزرگانہ کے بھی، کہ آدمی کی عمر کتنی بھی ہو اس کے بزرگ اس کو جوان بلکہ لڑکا تک کہتے ہیں۔ شیخ اور بوڑھا نہیں کہتے

اسی طرح یعنی فتوت و جوانمردی بھی لفظ جوان کا اطلاق ہوتا ہے۔ خواہ کوئی شخص بوڑھا ہو مگر ہمتِ مردانہ رکھتا ہو، وہ اپنی شجاعت و بسالت کے لحاظ سے جوان کہلایا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف اگرچہ وقتِ وصال پچاس سال سے زائد تھی، مگر شجاعت و جوانمردی کے لحاظ سے نیز شفقتِ پدری کے اقتضاء سے آپ کو جوان فرمایا گیا، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انبیاء کرام و خلفائے راشدین کے سوا ان امامین جلیلین تمام اہلِ جنّت کے سردار ہیں۔ کیونکہ جوانانِ جنّت سے تمام اہلِ جنّت مراد ہیں۔ اس لئے کہ جنّت میں بوڑھے اور جوان کا فرق نہ ہوگا۔ وہاں سب ہی جوان ہوں گے اور سب کی ایک عمر ہوگی۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں فرزندوں کو اپنا پھول فرمایا۔ هُمَا رَيْحَانِيْ مِنَ الدُّنْيَا۔ (وہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں) رواہ الترمذی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں نونہالوں کو پھول کی طرح سونگھتے اور سینۂ مبارک سے لپٹاتے تھے (رواہ الترمذی)

حضور پر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت ام الفضل بنت الحارث حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ ایک روز حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آج میں نے ایک پریشان خواب دیکھا۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ کیا؟ عرض کیا وہ بہت ہی شدید ہے۔ ان کو اس خواب کے بیان کی جرأت نہ ہوتی تھی حضور نے مکرر دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ میں نے دیکھا، کہ جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا، فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا۔ انشاء اللہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بیٹا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔

ایسا ہی ہوا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل کی گود میں دیئے گئے۔ ام الفضل فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی گود میں دیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ چشمِ مبارک سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، یہ کیا حال ہے۔ فرمایا۔ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ خبر پہنچائی کہ میری اُمّت میرے اس فرزند کو قتل کرے گی۔ میں نے کہا کیا اس کو؟۔ فرمایا۔ ہاں! اور میرے پاس اس کے مقتل کی سرخ مٹی بھی لائے۔ (رواہ البیہقی فی الدلائل)

شہادت کی شہرت

حضرت امام عالی مقام کی ولادت کے ساتھ ہی آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہو چکی۔ شیر خوارگی کے ایام میں حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام الفضل کو آپ کی شہادت کی خبر دی۔ خاتونِ جنت نے اپنے نونہال کو زمینِ کربلا میں خون بہانے کے لئے اپنا خونِ جگر (دودھ) پلایا۔ علی مرتضیٰ نے اپنے دلبند، جگر پیوند کو خاکِ کربلا میں لوٹنے اور دم توڑنے کے لئے سینہ سے لگا کر پالا۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیابان میں سوکھا حلق کٹوانے اور راہِ خدا میں مردانہ وار جان نذر کرنے کے لئے امام حسین کو اپنی آغوشِ رحمت میں تربیت فرمایا۔ یہ آغوشِ کرامت ورحمت فردوسی چمنستانوں اور جنتی ایوانوں سے کہیں زیادہ بالا مرتبت ہے۔ اس کے رتبہ کی کیا نہایت! اور جو اس گود میں پرورش پائے اس کی عظمت کا کیا اندازہ۔ اُس وقت کا تصور دل لرزا دیتا ہے، جبکہ اس

فرزندِ ارجمند کی ولادت کی مسرت کے ساتھ ساتھ شہادت کی خبر پہنچی ہو گی۔ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشمۂ رحمت چشم نے آنکھوں کے موتی برسا دیئے ہوں گے۔

اس خبر نے صحابۂ کبار، جاں نثارانِ اہلِ بیت کے دل ہلا دیئے، اس درد کی لذت علی مرتضیٰ کے دل سے پوچھئے صدق و صفا کی امتحان گاہ میں سنتِ خلیل ادا کر رہے ہیں۔

حضرت خاتونِ جنت کی خاکِ زیرِ قدم پاک پر قربان، جن کے دل کا ٹکڑا، نازنین، لاڈلا سینہ سے لگا ہوا ہے محبت کی نگاہوں سے اس نور کے پتلے کو دیکھتی ہیں، وہ اپنے سرور آفرین تبسم سے دلربائی کرتا ہے۔ چمک چمک کر محبت کے سمندر میں تلاطم پیدا کرتا ہے، ماں کی گود میں کھیل کر شفقتِ مادری کے جوش کو اور زیادہ موجزن کرتا ہے، میٹھی میٹھی نگاہوں اور پیاری پیاری باتوں سے دل لبھاتا ہے۔ عین ایسی حالت میں کربلا کا نقشہ آپ کے پیش نظر ہوتا ہے۔ جہاں یہ چہیتا، نازوں کا پالا، صبح کا پیاسا بیابان میں بے رحمی کے ساتھ شہید ہو رہا ہے نہ علی مرتضیٰ ساتھ ہیں نہ حسن مجتبیٰ۔ عزیز و اقارب، برادر، فرزند سب قربان ہو چکے ہیں۔ تنہا یہ نازنین ہیں۔ تیروں کی بارش سے نوری جسم لہولہان ہو رہا ہے۔ خیمہ والوں کی بے کسی، اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور راہِ خدا میں مردانہ وار جان نثار کرتا ہے۔ کربلا کی زمین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول سے رنگین ہوتی ہے۔ وہ شمیم پاک جو حبیب خدا کو پیاری تھی، کوفہ کے جنگل کو عطر بیز کرتی ہے۔ خاتونِ جنت کی نظر کے سامنے یہ نقشہ پھر رہا ہے۔ اور فرزند سینہ سے لپٹ رہا ہے، حضرت بایں ہمہ اس منظر کو دیکھیں۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ اس فرزند ارجمند کے جدِ کریم حبیبِ خدا ہیں۔ حضرت حق تبارک و تعالیٰ ان کا رضا جو ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ بحر و بر میں ان کا حکم نافذ ہے، شجر و حجر سلام عرض کرتے ہیں اور مطیعِ فرمان ہیں۔ چاند اشاروں سے چلا کرتا ہے، ڈوبا ہوا سورج حکم سے پلٹ آتا ہے۔ بدر میں ملائکہ لشکری بن کر حاضرِ خدمت ہوتے ہیں۔ کونین کے ذرے ذرے پر بحکمِ الٰہی حکومت ہے۔ اولین و آخرین سب کی عقدہ کشائی اشارۂ چشم پر موقوف و منحصر ہے۔ ان کے غلاموں کے صدقہ میں خلق کے کام بنتے ہیں۔ مددیں ہوتی ہیں، روزی ملتی ہے۔ هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ (رواہ البخاری)

باوجود اس کے اس فرزندِ ارجمند کی خبرِ شہادت پا کر چشم مبارک سے اشک تو جاری ہو جاتے ہیں مگر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے، بارگاہِ الٰہی میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امن و سلامت اور اس حادثۂ ہائلہ سے محفوظ رہنے اور دشمنوں کے برباد ہونے کی دعا نہیں فرماتے۔ نہ علی مرتضیٰ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم اس خبر نے تو دل و جگر پارہ پارہ کر دیئے۔ آپ کے قربان، بارگاہِ حق میں اپنے فرزند کے لئے دعا فرمائیے۔ نہ خاتونِ جنت التجا کرتی ہیں کہ اے سلطانِ دارین! آپ کے فیض سے عالم فیض یاب ہے اور آپ کی دعا مستجاب۔ میرے اس لاڈلے کے لئے دعا فرما دیجئے۔ نہ اہلِ بیت، نہ ازواجِ مطہرات، نہ صحابۂ کرام سب خبرِ شہادت سنتے ہیں۔ شہرہ عام ہو جاتا ہے، مگر بارگاہِ رسالت میں کسی کی طرف سے دعا کی درخواست پیش نہیں ہوتی۔

بات یہ ہے کہ مقامِ امتحان میں ثابت قدمی درکار ہے، یہ محلِ عذر و تامل نہیں۔ ایسے موقع پر جان سے دریغ جانبازمردوں کا شیوہ نہیں۔ اخلاص سے جاں نثاری عین تمنا ہے۔ دعائیں کی گئیں، مگر یہ کہ یہ فرزند مقامِ صفا و وفا میں صادق ثابت ہو۔ توفیقِ الٰہی مساعد رہے۔ مصائب کا ہجوم اور آلام کا انبوہ اس کے

قدم کو پیچھے نہ ہٹا سکے۔

احادیث میں اس شہادت کی بہت خبریں وارد ہیں۔

ابن سعد و طبرانی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل نے خبر دی کہ میرے بعد میرا فرزند حسین زمین طف میں قتل کیا جائے گا۔ اور جبریل میرے پاس یہ مٹی لائے اور انہوں نے عرض کیا کہ یہ (حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) خوابگاہ (مقتل) کی خاک ہے۔ طف قریب کوفہ اس مقام کا نام ہے جس کو کربلا کہتے ہیں۔

امام احمد نے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری دولت سرائے اقدس میں وہ فرشتہ آیا جو اس سے قبل کبھی حاضر نہ ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کے فرزند حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قتل کئے جائیں گے۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس زمین کی مٹی ملاحظہ کراؤں، جہاں وہ شہید ہوں گے۔ پھر اس نے تھوڑی سُرخ مٹی پیش کی۔

اس قسم کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں۔ کسی میں بارش کے فرشتہ کے [illegible] کا تذکرہ ہے۔ کسی میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو خاکِ کربلا تفویض کرنے اور اس خاک کے خون ہو جانے کو علامتِ شہادت امام قرار دینے کا تذکرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہادت کی بار بار اطلاع دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارہا اس کا تذکرہ فرمایا۔ اور یہ شہادت حضرت امام کے عہد طفولیت سے خوب مشہور ہو چکی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ آپ کا مشہد کربلا ہے۔

حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ہم کو کوئی شک باقی نہ رہا تھا اور اہل بیت بالاتفاق جانتے تھے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید ہوں گے۔

ابو نعیم نے یحییٰ حضرمی سے روایت کی کہ وہ سفر صفین میں حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے ہمراہ تھے۔ جب نینوا کے قریب پہنچے جہاں حضرت یونس علیہ السلام کا مزار اقدس ہے تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے ندا کی کہ اے ابو عبد اللہ فرات کے کنارے ٹھہرو۔ میں نے عرض کیا۔ کس لئے؟ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ امام حسین فرات کے کنارے شہید کئے جائیں گے اور مجھے وہاں کی ایک مشت مٹی دکھائی۔

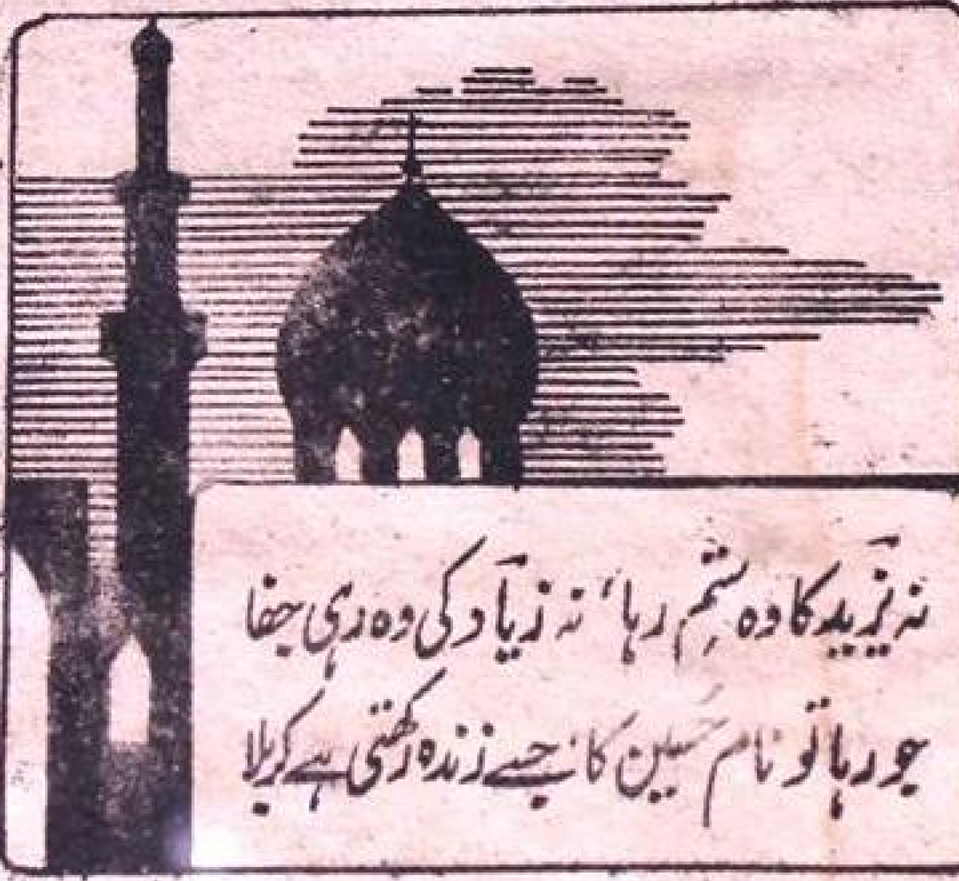
ابو نعیم نے اصبغ بن نباتہ سے روایت کی کہ ہم حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے مقام پر پہنچے۔ حضرت مولانا نے بیان فرمایا یہاں ان شہداء کے اونٹ بندھیں گے۔ یہاں ان کے کجاوے رکھے جائیں گے۔ یہاں اُن کے خون بہیں گے۔ جوانانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں شہید ہوں گے۔ آسمان و زمین اُن پر روئیں گے۔

ان خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ علی مرتضیٰ اور صحابہ کبار زمینِ کربلا کے چپہ چپہ کو پہچانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا، کہاں اونٹ باندھے جائیں گے۔ کہاں سامان رکھا جائے گا۔ کہاں خون بہیں گے۔ یہ شہادت کا کمال ہے۔ ایسا اعلان عام ہو اپنے پرائے سب جان جائیں۔ مقام بتا دیا گیا ہو۔ وہاں کی خاک شیشوں میں رکھ لی گئی ہو۔ اس کے خون ہو جانے کا انتظار ہو اور شوقِ شہادت میں کمی نہ آئے جذبۂ جاں نثاری روز افزوں ہوتا رہے۔ تمام چاہنے والے پہلے سے باخبر ہوں، ہر دل اس زخم کا مزہ لے اور صبر و استقلال کے ساتھ جان عطا کرنے والے کی راہ میں جان قربان کی جائے۔ یہ مردانِ کامل اور فرزندِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ اور انہیں کا حوصلہ ہے۔ رع

تمرد و سرکشی انتہا کو پہنچی۔ شیطنت نے یہاں تک زور کیا کہ مسلم ابن عقبہ کو بارہ ہزار یا بیس ہزار کا لشکر گراں دے کر مدینہ طیبہ کی چڑھائی کے لئے بھیجا۔ یہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس نامراد لشکر نے مدینہ طیبہ میں وہ طوفان برپا کیا کہ العظمۃ للہ۔ قتل، غارت، اور طرح طرح کے مظالم ہمسائیگان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے وہاں کے ساکنین کے گھر لوٹ لئے۔ سات سو صحابہ کو شہید کیا۔ اور دوسرے عام باشندے ملا کر دس ہزار سے زیادہ کو شہید کیا۔ لڑکوں کو قید کر لیا۔ ایسی ایسی بدتمیزیاں کیں جن کا ذکر کرنا ناگوار ہے۔ مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں گھوڑے باندھے۔

تین دن تک مسجد شریف میں لوگ نماز سے مشرف نہ ہو سکے صرف حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ مجنون بن کر وہاں حاضر رہے۔ حضرت عبد اللہ ابن حنظلہ ابن غسیل نے فرمایا کہ یزیدیوں کی ناشائستہ حرکتیں اس حد پر پہنچیں کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ ان کی بدکاریوں کی وجہ سے کہیں آسمان سے پتھر نہ برسیں۔ پھر یہ لشکر شرارت اثر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا راستہ میں امیر لشکر مر گیا اور دوسرا شخص اس کا قائمقام کیا گیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر ان بے دینوں نے منجنیق سے سنگباری کی۔ اس سنگباری سے حرم شریف کا صحن مبارک پتھروں سے بھر گیا اور مسجد حرام کے ستون ٹوٹ پڑے اور کعبہ مقدسہ کے غلاف شریف اور چھت کو ان بے دینوں نے جلا دیا۔ اسی میں اس دنبہ کے سینگ بھی تبرک کے طور پر محفوظ تھے

جو سیدنا حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے فدیہ میں قربان کیا گیا تھا وہ بھی جل گئے۔ کعبۂ مقدسہ کئی روز بے لباس رہا اور وہاں کے باشندے سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ آخرکار یزید پلید کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرمایا اور وہ نصیب تین برس ساڑھے سات مہینے تخت حکومت پر شیطنت کر کے ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ کو جس روز اس ناپاک کے حکم سے کعبۂ معظمہ کی بے حرمتی ہوئی تھی شہر حمص ملک شام میں ۳۹ برس کی عمر میں ہلاک ہوا۔ ہنوز قتال جاری تھا کہ یزید پلید کی ہلاکت کی خبر پہنچی۔ حضرت ابن زبیر نے ندا فرمائی کہ اے اہل شام تمہارا طاغوت ہلاک ہو گیا۔ یہ سن کر وہ لوگ ذلیل و خوار ہوئے اور لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور وہ گروہ ناحق پژوہ خائب و خاسر ہوا۔ اہل مکہ کو ان کے شر سے نجات ملی، اہل حجاز و یمن و عراق و خراسان نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے دست مبارک پر بیعت کی اور اہل مصر و شام نے معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر۔ یہ معاویہ اگرچہ یزید پلید کی اولاد سے تھا مگر آدمی نیک اور صالح تھا۔ باپ کے ناپاک افعال کو برا جانتا تھا عنان حکومت ہاتھ میں لیتے وقت سے تادم مرگ بیمار ہی رہا اور کسی کام کی طرف اس نے نظر نہ ڈالی۔ اور چالیس روز یا دو تین ماہ کی حکومت کے بعد اکیس سال کی عمر میں مر گیا۔ آخر وقت میں اس سے کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ کرے۔ اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ میں نے خلافت میں کوئی حلاوت نہیں پائی تو پھر اس تلخی میں کسی دوسرے کو کیوں مبتلا کروں!



معاویہ بن یزید کے انتقال کے بعد اہل مصر و شام نے بھی حضرت عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کی۔ پھر مروان بن حکم نے خروج کیا۔ اور اس کو شام و مصر پر قبضہ حاصل ہوا۔ ۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عبد الملک اس کا قائم مقام ہوا۔ عبد الملک کے عہد میں مختار بن عبید ثقفی نے عمر بن سعد کو بلایا۔ ابن سعد کا بیٹا حفص حاضر ہوا۔ مختار نے دریافت کیا تیرا باپ کہاں ہے۔ کہنے لگا کہ وہ خلوت نشین ہو گیا ہے۔ گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس پر مختار نے کہا کہ اب وہ رے کی حکومت کہاں ہے جس کی چاہت میں فرزند رسول سے بے وفائی کی تھی۔ اب کیوں اس سے دست بردار ہو کر گھر میں بیٹھا ہے۔ حضرت امام کی شہادت کے روز کیوں خانہ نشین نہ ہوا۔ اس کے بعد مختار نے ابن سعد، اس کے بیٹے اور شمر ناپاک کی گردن مارنے کا حکم دیا اور ان سب کے سر کٹوا کر حضرت محمد بن حنفیہ برادر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔ اور شمر کی لاش کو گھوڑوں کے سموں سے روند وا دیا جس سے اس کے سینہ اور پسلی کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں۔ شمر حضرت امام کے قاتلوں میں سے ہے اور ابن سعد اس لشکر کا سالار و کمانڈر تھا جس نے حضرت امام پر مظالم کے طوفان توڑے۔ آج ان ظالمانِ ستم شعار و مغروران نابکار کے سر تن سے جدا کر کے دشت بدشت پھرائے جا رہے ہیں۔ اور دنیا میں کوئی ان کی بیکسی پر افسوس کرنے والا نہیں، ہر شخص ملامت کرتا اور نظرِ حقارت سے دیکھتا ہے اور ان کی ذلت و رسوائی کی موت پر خوش ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے مختار کے اس کارنامہ پر اظہارِ فرح کیا اور اس کو دشمنانِ امام سے بدلہ لینے پر مبارکباد دی۔

اس کے بعد مختار نے ایک حکم عام دیا کہ کربلا میں جو جو شخص عمر بن سعد کا شریک تھا وہ جہاں پایا جائے مار ڈالا جائے یہ حکم سن کر کوفہ کے جفا شعار مغرور بصرہ بھاگنے شروع ہوئے مختار کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا۔ جس کو جہاں پایا ختم کر دیا۔ لاشیں جلا ڈالیں، گھر لوٹ لئے۔ خولی بن یزید وہ خبیث ہے جس نے حضرت امام عالی مقام کا سر مبارک تنِ اقدس سے جدا کیا تھا۔ یہ روسیاہ بھی گرفتار کر کے مختار کے پاس لایا گیا۔ مختار نے پہلے اس کے چاروں ہاتھ پیر کٹوائے پھر سولی چڑھایا۔ آخر آگ میں جھونک دیا۔ اسی طرح لشکر ابن سعد کے تمام اشرار کو طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا۔ چھ ہزار کوفی جو حضرت امام کے قتل میں شریک تھے ان کو مختار نے طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا۔

ابن زیاد کی ہلاکت

عبد اللہ ابن زیاد یزید کی طرف سے کوفہ کا والی و گورنر کیا گیا تھا۔ اسی بد نہاد کے حکم سے حضرت امام اور آپ کے اہل بیت پر یہ تمام مظالم ڈھائے گئے۔ یہی ابن زیاد موصل میں تیس ہزار فوج کے ساتھ اترا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس کے مقابلہ کے لئے ایک فوج دے کر بھیجا۔ موصل سے ۱۵ کوس کے فاصلہ پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں مقابلہ ہوا اور صبح سے شام تک خوب جنگ رہا۔ جب دن ختم ہونے والا تھا اور آفتاب قریب غروب تھا اس وقت ابراہیم کی فوج غالب آئی۔ ابن زیاد کو شکست ہوئی اور اس کے ہمراہی بھاگے۔ ابراہیم نے حکم دیا کہ فوج مخالف میں سے جو ہاتھ آئے اس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ بہت سے ہلاک کئے گئے اسی ہنگامہ میں ابن زیاد بھی فرات کے کنارے محرم کی دس تاریخ ۶۷ھ میں مارا گیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر ابراہیم کے پاس بھیجا گیا ابراہیم نے مختار کے پاس کوفہ بھجوایا۔ مختار نے دار الامارت کوفہ کو آراستہ کیا اور اہل کوفہ کو جمع کر کے ابن زیاد کا ناپاک سر